پیغام سیرت

نبیٔ اکرم ﷺ کی رحمت وشفقت میدانِ جنگ میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

جہاد کا مسئلہ ایک قدیمی مسئلہ ہے، جس پر بہت سی گفتگو ہو چکی ہے، اور یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے، خصوصاً یہ آج کل بین الاقوامی سطح پر اہم ترین موضوع ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے کو اس کے صحیح تناظر میں نہیں دیکھا گیا، یا اگر کسی نے ایسے سمجھا بھی ہے تو اس کا اظہار درست طور پر نہیں کیا گیا، بل کہ اسے اس کے صحیح تناظر سے کاٹ کر پیش کیا گیا ہے۔ یہ صورتِ حال آج مزید پیچیدہ ہو چکی ہے۔

امتِ مسلمہ کو آج جس مسئلے کا سب سے زیادہ سامنا ہے وہ دہشت گردی کا معاملہ ہے، پوری دنیا میں اس وقت یہ کیفیت ہے کہ ہر مسلمان کو مشکوک نظروں سے دیکھا جا رہا ہے، اور خود اسلام ہی کو (نعوذ باللہ) دہشت گردی کا مذہب قرار دے دیا گیا ہے۔ جو زیادہ مصلحت پسند بننے کی کوشش کرتا ہے وہ بھی اس قدر ضرور کہتا ہے کہ اسلام تو امن وسلامتی کا مذہب ہے مگر بعض مسلمان دہشت گردی میں مبتلا ہیں، حال آں کہ حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمان سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ہیں، پھر اگر کہیں پر مسلمان تنگ آمد بہ جنگ آمد کے مصداق اپنی بقا وسلامتی کے تقاضوں کے تحت جہاد کا علم بلند رکھے ہوئے ہیں تو مغربی قوتیں جارح کو تنبیہ کرنے کی بہ جائے الٹا مسلمانوں ہی کو موردِ الزام ٹھہرا رہی ہیں۔

ان حالات میں سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ یہ طے کیا جائے کہ دہشت گرد ہے کون؟ ایک شخص کے نزدیک جو دہشت گرد ہے، وہ دوسرے کے نزدیک مجاہدِ حریت ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۸۰ء کے

عشرے میں جب ڈک چینی جیسے سیاست دان نیلسن منڈیلا کو دہشت گرد قرار دے رہے تھے، اس وقت امریکی حکومت اسامہ بن لادن اور اس کے ساتھیوں کو جنگ آزادی کے سپاہی قرار دے کر ان کی تعریف کر رہی تھی۔ فلسطین کے رہ نما یاسر عرفات دہشت گرد تھے بعد میں وہ دہشت گرد نہیں رہے۔ آئرلینڈ کی سن فین (Sinn Fein) کے جیری آدمس بھی جنوبی افریقہ کے نیلسن منڈیلا کی طرح دہشت گرد تھے اور اب وہ بڑے عظیم مدبر اور رہ نما ہیں۔ کم از کم تین اسرائیلی وزرائے اعظم یا تو خود اپنے اعتراف کے مطابق دہشت گرد تھے یا ان پر دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہونے کا الزام قانونی طور پر لگایا جا سکتا تھا۔

۲۵ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو امریکہ کے وزیر داخلہ جارج شلز نے دہشت گردی پر ایک طویل تقریر کی۔ لیکن اس میں ایک جگہ بھی لفظ دہشت گردی کی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا:

۱۔ جدید وحشیانہ پن کو دہشت گردی کہتے ہیں۔

۲۔ دہشت گردی دراصل سیاسی تشدد کی ایک شکل ہے۔

۳۔ دہشت گردی مغربی تہذیب کے لئے ایک دھمکی کا نام ہے۔

۴۔ دہشت گردی مغربی اخلاقی اقدار کے لیے ایک خطرہ ہے۔ (۱)

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ لوگ دہشت گردی کی تعریف بیان نہیں کرتے، اس لئے کہ تعریف بیان کرنے کا مطلب ہے تجزیے، گرفت یا کسی قسم کی مستقل مزاجی سے وابستگی۔ اور یہ صورت ان کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ ویسے بھی اقوام متحدہ میں غیر جانب دار گروہ نے دہشت گردی کی یہ تعریف کی ہے:

> وہ پرتشدد کام جو لوگوں کے ایک گروہ سے سرزد ہوتے ہیں، ان کی زندگیوں اور بنیادی آزادی کو خطرے میں ڈالتے ہیں اور ان کے اثرات ایک ریاست تک محدود نہ ہوں، بہ ہر حال اس سے نوآبادیاتی اور نسلی حکومتوں کے تحت ناقابل انتقال حقوق اور اپنے متعلق خود فیصلہ کرنے کا حق متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ (۲)

جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ کشمیر ہو یا فلسطین اور ماضی کا جنوبی افریقہ ہو یا الجزائر جہاں کہیں بھی بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف کوئی تحریک برپا ہوئی وہ نہ دہشت گردی تھی نہ کوئی جرم۔

دہشت گردی کے حوالے سے اسلام کا موقف بالکل واضح ہے، اور دنیا کے مختلف حصوں میں جاری

۱۔ ماہنامہ محدث، لاہور، نومبر ۲۰۰۲ء: ص ۴۷

۲۔ ایضاً: ص ۴۹

مسلم تحریکوں پر دہشت گردی کی کوئی تعریف صادق نہیں آتی، کیوں کہ اسلام نے فطری تقاضوں کا ہر موقع پر پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ یہ تمام تحریکیں ردعمل کی تحریکیں ہیں اور ردعمل کا قانون ہمیشہ عمل سے مختلف ہوتا ہے۔ جس بات کی عام حالت میں اجازت نہیں ہوتی، ردعمل کے موقع پر اسے گوارا کرلیا جاتا ہے، کیوں کہ انسانی فطرت کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے جذبات دونوں مواقع پر یک ساں نہیں ہوتے، اسی لئے قرآنِ حکیم میں فرمایا گیا:

لَایُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (۳)

اللہ کو پسند نہیں کہ کوئی شخص کسی کی بری بات کو ظاہر کرے، ہاں مگر جس پر ظلم ہوا ہو۔

دنیا بھر میں جاری اسلامی تحریکات اور عسکری سرگرمیوں کو اسی قانون کی روشنی میں دیکھنا ہوگا، ورنہ ہم حقائق تک کبھی رسائی حاصل نہیں کرسکیں گے۔

اصل میں دہشت گردی اور جہاد کو خلط ملط کردیا گیا ہے، اگر مطلق اسلحہ اٹھانا ممنوع ہے تو پھر مغربی اقوام دھڑا دھڑ اسلحے کے انبار کیوں لگا رہی ہیں؟ حفاظتی اداروں، ایجنسیوں اور افواج کے پاس اسلحہ کیوں ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسلحہ بہ ذات خود برا نہیں، پھر اگر اس کا استعمال برا ہے، تو اسے رکھا ہی کیوں جاتا ہے؟ اور اگر رکھا بھی جائے تو استعمال کیوں کیا جاتا ہے؟ آخر خود اقوام متحدہ کی چھتری تلے اسلحہ استعمال ہوا اور ہوتا رہتا ہے، ایسا کیوں ہوا؟ ثابت یہی ہوتا ہے کہ نہ اسلحہ رکھنا برا ہے۔ نہ بنانا، نہ اس کا استعمال کرنا، اصل چیز جو غلط ہے وہ استعمال کا طریقۂ کار، وجوہ واسباب اور اغراض ومقاصد ہیں، اگر یہ درست ہیں تو اسلحے کا استعمال بھی درست ہے اور اگر یہ غلط ہیں تو اسلحے کا استعمال بھی غلط ہے۔ آیئے ان نکات کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام نے جہاد کا جو حکم اور اجازت دی ہے، اس کی شرائط کیا ہیں؟ اور اس کی حدود وقیود کیا ہیں؟

مقاصدِ جہاد

جہاد کی اجازت دینے سے اسلام کا مقصد فتنے کا خاتمہ ہے، صاحب تفسیر مظہری علامہ قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی فرماتے ہیں:

الامر بالقتال والجهاد ليس لاجل الاكراه على الدين بل لدفع الفساد من الارض (۴)

۳۔ النساء: ۱۴۹

۴۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی/تفسیر مظہری۔ حیدرآباد دکن، مجلس اشاعت العلوم: ج ۱، ص ۳۶۳

قتال و جہاد کا حکم زبردستی دین قبول کرنے کے لئے نہیں ہے بل کہ اس کا مقصد زمین سے فتنے وفساد کو ختم کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (۵)

اور تم ان (مشرکین، مفسدین) سے لڑو، حتیٰ کہ فتنہ ختم ہو جائے۔

اس مسئلے کو صحیح تناظر میں ملاحظہ کرنے کے لئے اور اس بارے میں اسلام کا موقف جاننے کے لئے ہم پہلے چند بنیادی مباحث ذکر کریں گے، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ انسانیت کو اسلام کیا مقام دیتا ہے، اور انسانی جان کی اس کے ہاں کیا حیثیت واہمیت ہے۔

انسان کی اہمیت

اسلام سے پہلے کے حالات کا جائزہ لیں تو ایک افراتفری کا عالم نظر آتا ہے، اس وقت یہ عالم آب وگل ایک ہمہ جہت گرداب بلا کا شکار تھا۔ ہر سمت انتشار مکمل اور ہر جانب اضطراب مسلسل کا عالم تھا۔ اس فضا میں انسانیت جبر وتشدد کے نیچے بڑی سسک رہی تھی۔ اس دور کا ایک خاکہ ایک غیر مسلم قلم کار کے قلم سے پڑھئے۔

> چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی، اور حقیقت میں تو کسی کی بھی کوئی حیثیت نہ تھی، ایک نزاع کا عالم تھا، مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں یا تو تباہ ہو چکی تھیں یا تباہی کے قریب تھیں، یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت، ایران کی عظمت اور روما کی شوکت وجلال پر متحیر تھی اور ایسی کوئی چیز نہ تھی، نہ کوئی مذہب ایسا تھا جو ان میں سے کسی ایک کی جگہ لینے کی حالت میں ہوتا۔ یہودی اپنے مرکز کے بغیر پوری دنیا میں حیران و پریشان سرگرداں تھے، حالات کے مطابق یا تو انہیں برداشت کر لیا جاتا یا پھر انہیں سخت تکالیف دی جاتیں، کوئی ملک ان کا اپنا نہ تھا، اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس قدر آج ہے۔ پوپ گریگری اعظم (Grigory The Great) کے حلقۂ اثر سے آزاد مسیحی اپنے سہل عقائد کے ہر قسم کے پے چیدہ معانی دریافت کر رہے تھے اور اس سلسلے میں (عبادت جان کر) ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مصروف تھے۔ ایران میں سلطنت کی آخری امید باقی بچی تھی، خسرو ثانی اپنی سلطنت کی توسیع میں مصروف تھا، وہ روما کو شکست

۵۔ البقرہ: ۱۹۳

دے کر کی پدیشیا (Cappadocia) مصر و شام پر قابض ہو گیا تھا، اس نے ۶۲۰ میں بیت المقدس کو تاراج کر کے مقدس صلیب کو چرا لیا تھا اور دارائے اول کی عظمتِ رفتہ کو دوبارہ قائم کر دیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ مشرق وسطی کی عظمت کو نئی زندگی مل گئی ہے، لیکن حقیقت یہ تھی کہ بازنطینی رومی اب بھی ماضی کی طرح چست و توانا تھے، جب خسرو نے اپنی افواج کو لے کر قسطنطنیہ کی فصیلوں پر چڑھائی کی تو انہوں نے آخری کوشش کر دکھائی۔

مشرقی بعید میں بھی حالات کوئی نمایاں تاثر نہیں دے رہے تھے، ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی اور غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا جو سیاسی اور حربی حیثیت میں ایک دوسرے پر غالب آنے کے لئے جدوجہد میں مصروف تھیں۔ چینی اپنی عادت کے مطابق آپس میں ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے، خاندانِ سوئی آ کر جا چکا تھا اور اس کی جگہ ٹینگ خاندان نے لے لی تھی، جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔ جاپان میں پہلی بار ایک خاتون تخت نشین ہوئی تھی، یہاں بدھ مت جڑ پکڑنے لگا تھا اور جاپان کے مذہبی تصورات اور قومی مقاصد پر اثر انداز ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسپین اور انگلستان چھوٹے چھوٹے اور غیر اہم ملک تھے، جزائرِ برطانیہ آزاد ریاستوں میں منقسم تھا۔(۶)

ان حالات میں انسانیت کے حق میں پہلی صدا اسلام کی بلند ہوئی۔ اسلام نے انسان کو انسانیت سے روشناس کرایا، اور اسے اس کی حیثیت سے آگاہ کیا۔ اس دورِ ظلمت میں قرآن نے صدا دی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ O (۷)

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر بنایا۔

انسان کی کرامت اور شرافت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا O (۸)

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی۔

اسلام کی رو سے پوری کائنات اور تمام مخلوق کو انسان کا ماتحت کیا گیا ہے، اور ساری مخلوقات کو اس

۶۔ بہ تغیر و اختصار R.V.C. Bodley / The Messenger.P-16-18

۷۔ التین: ۴ ۸۔ بنی اسرائیل: ۷۰

کا خادم اور انسان کو مخدوم قرار دیا گیا۔ فرمایا:

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاءَ بِنَآءً ص وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ج فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ O (۹)

جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے پانی برسایا، جس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے، سو تم جانتے بوجھتے اللہ کے شریک نہ ٹھہراؤ۔

دوسری مقام پر مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ج وَتَرَی الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ O (۱۰)

اور وہی تو ہے جس نے سمندر کو مسخر کر دیا تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے جو اس کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا مطالعہ کریں تو اسلام کا مطلوب شخص ایسا معلوم ہوتا ہے جو انسانیت کا درد رکھتا ہو، اسے یہ بالکل زیب نہیں دیتا کہ وہ کبر و نخوت کا پتلا بنے یا انسانیت کی بنیاد پر انسانوں میں کسی قسم کی کوئی تفریق کرے۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

الناس بنو آدم و آدم من تراب (۱۱)

تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔

یعنی انسان کی اصل مٹی ہے، وہ خاک سے پیدا ہوا اور خاص میں ہی اسے مل جانا ہے، اسے یہ تکبر کسی طرح روا نہیں کہ وہ اپنے جیسے انسانوں میں کسی بھی حوالے سے تفریق و تفہیم پیدا کر سکے، ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ اوحی الی ان تواضعوا حتیٰ لا یفخر احد علی احد ولا یبغی احد علی احد (۱۲)

بلاشبہ اللہ نے مجھے عاجزی کی تلقین کی، حتیٰ کہ کوئی شخص کسی پر نہ تو فخر کرے، نہ کسی پر زیادتی کرے

۹۔ البقرہ: ۲۲ ۱۰۔ النحل: ۱۴

۱۱۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۳۱۔ ۵۱۱۶۔ ترمذی: ج ۵، ص ۷۳۵۔ ۳۹۵۶

۱۲۔ مسلم: ج ۴، ص ۲۱۹۸، رقم ۲۸۶۵۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۲۷۴، رقم ۴۸۹۵

اسلام نے ہی وحدتِ انسانی کا تصور دیا اور ہر طرح کی تفریق ختم کرنے پر زور دیا۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات مبارک تھی، جس نے سب سے پہلے یہ پیغام عام کیا۔

کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا○ (۱۳)

اے اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

اس حدیث مبارکہ کی تشریح میں علامہ نووی فرماتے ہیں:

تعاملوا وتعاشروا معاملة الاخوة و معاشرتهم في المودة والرفق والشفقة والملاطفة والتعاون في الخير و نحو ذلك مع صفاء القلوب والنصيحة بكل حال (۱۴)

آپس میں معاملات اور سماجی تعلقات بھائیوں کی طرح انجام دو، اور ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی کے امور میں دوستی، نرمی شفقت اور لطف وتعاون کا معاملہ رکھو، دلوں کی صفائی اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ۔

اسی طرح اسلام کا مقصد یہ ہے کہ بے جا انسانی تفریق اور مصنوعی حد بندیاں ختم ہو جائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من احسن الى عياله (۱۵)

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، تو وہی شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اس کی عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔

اسلام نے ہی سب سے پہلے انسانی جان کو حرمت عطا کی اور اسے ایک بلند ترین مقام پر فائز کیا۔ قرآن حکیم پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (۱۶)

جو کوئی کسی کو مار ڈالے بغیر کسی خون کے بدلے کے یا زمین پر فساد پھیلانے کے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

۱۳۔ احمد/المسند: ج ۳، ص ۱۹۶، رقم ۹۴۷۱ ۱۴۔ نووی، ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدین (م ۶۷۶ء)/شرح النووی علی صحیح المسلم۔ بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۳۹۲ھ: ج ۱۶، ص ۱۱۶

۱۵۔ ابی یعلی: ج ۶، ص ۶۵، رقم ۳۳۱۵۔ المعجم الکبیر: ج ۱۰، ص ۸۶، رقم ۱۰۰۳۳۔ شعب الایمان: ج ۶، ص ۴۳، رقم ۷۴۴۵ ۱۶۔ المائدہ: ۳۲

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے احکامات ماننے والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ○ (۱۷)

اور نہ اس جان کو حق کے سوا قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کام کرتا ہے تو وہ سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اور دوسرے مقام پر کسی بھی نفس کے قتل کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (۱۸)

اور اس جان کو قتل نہ کرو جس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے سوائے حق کے۔

اور نبیٔ رحمت علیہ الصلاۃ والسلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

الا ان احرم الایام یومکم هذا الا و ان احرم الشهور شهرکم هذا الا و ان احرم البلد بلدکم هذا الا و ان دماء کم و اموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا (۱۹)

خبردار تمام دنوں میں سب سے زیادہ حرمت والا دن یہ ہے، تمام مہینوں میں سب سے زیادہ ذی شرف مہینہ یہ ہے، اور تمام شہروں میں سب سے زیادہ افضل شہر یہ ہے، خبردار تمہاری جان، تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس شہر اس مہینے اور اس دن کی حرمت ہے۔

اسی بنا پر اسلام نے ظلم کی ممانعت کی، کیوں کہ اس کے نتیجے میں فتنہ پھیلتا ہے اور انتشار کے سوا ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ فرمایا

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ○ (۲۰)

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامة (۲۱)

۱۷۔ الفرقان: ۶۸ ۱۸۔ الانعام: ۱۵۱

۱۹۔ ابن ہشام، (م ۲۱۳ھ)/ السیرۃ النبویہ۔ بیروت، دار المعرفہ، ۱۹۷۸ء: ج ۴، ص ۲۳۱

۲۰۔ الحج: ۷۱ ۲۱۔ مسلم: ج ۴، ص ۱۷۸، رقم ۲۵۷۸

ظلم سے بچو، کیوں کہ ظلم روز قیامت اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔

اسلام میں ظلم سے بچنے کی اس قدر اہمیت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اول مایقضی بین الناس یوم القیمة فی الدمآء (۲۲)

قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔

مخالفین سے سلوک، عملی اقدامات کا تقابلی مطالعہ

زبانی پروگراموں اور تعلیمات کے بعد آیئے دیکھیں کہ عملی اقدامات کی روشنی میں کس قوم یا مذہب کا کیا مقام ہے؟ اس لئے کہ کسی جماعت، گروہ یا قوم کو پرکھنے کی اصل کسوٹی تو عمل ہی ہے، ورنہ خوش نما پروگرام اور دیدہ زیب منشور تو ہر ایک پیش کرسکتا ہے، اس سلسلے میں محدود گنجائش کے پیش نظر چند مذاہب اور اقوام کا قدرے اختصار سے تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ہندومت اور برداشت وتحمل

برداشت اور رواداری کی بات کرنے میں کوئی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا، ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ زبانی دعوے اور خوش نما بیانات کے ذریعے اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا جمہوریت پسند، سب سے زیادہ روادار اور سب سے بڑھ کر مخالفین سے حسن سلوک کرنے والا ثابت کردے۔ لیکن بیانات جاری ہوتے ہیں اور ختم ہوجاتے ہیں، دعوے سامنے آتے ہیں اور فنا ہوجاتے ہیں۔ لیکن جو چیز باقی رہتی ہے اور تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لئے ثبت ہوجاتی ہے، وہ فقط کردار وعمل ہے۔ کردار ایسی چیز ہے جو اگر برا ہو تو اچھا کہنے سے اچھا نہیں ہوسکتا اور اگر اچھا ہے تو اسے لاکھ برا قرار دیا جائے وہ برا نہیں ٹھہر سکتا، حقائق پر کچھ عرصے کے لئے پروپیگنڈے کے ذریعے پردہ ڈالا جاسکتا ہے لیکن انہیں تبدیل کردینا یا ہمیشہ کے لئے انہیں چھپا دینا ممکن نہیں ہے، سچ بالآخر سامنے آتا ہے اور اپنے آپ کو منوا کر رہتا ہے۔ ہندوؤں کا برداشت وتحمل کے سلسلے میں جو کردار ہے اور رواداری کے سلسلے میں ان کی جو ''خدمات'' ہیں وہ قطعاً قابل رشک نہیں قرار دی جاسکتیں، اپنے بارے میں ان کا اپنا دعویٰ خواہ کچھ ہو، حقائق یہی کہتے ہیں کہ انہوں نے کسی بھی معاملے میں دوسری اقوام کے ساتھ تحمل و رواداری کا معاملہ نہیں کیا، انہوں نے کبھی مخالفین کو برداشت نہیں کیا، بل کہ ہمیشہ انہیں دبانے کی کوشش کی۔

ان کے ان اقدامات کا پہلا اور سب سے بڑا نشانہ مسلمان بنے، اگرچہ، سکھ، عیسائی، اور خود نچلی

۲۲۔ نسائی/السنن المجتبیٰ: ج ۳، ص ۱۶۶، رقم ۲۶۱۹

ذات کے ہندو کوئی بھی ان کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ نہیں رہ سکا، کچھ حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں، خیال رہے کہ اختصار پیش نظر ہے۔

پہلے ہندوؤں کی مقدس کتب کی گواہی دیکھئے! ویدوں کو ملاحظہ کیجئے:

وہ اندرا جس نے درترا کو قتل کیا اور جس نے قصبے کے قصبے اور گاؤں کے گاؤں تہہ و بالا کر دیئے، وہ جو کالے داسوں (غلاموں) کو قتل کرتا ہو۔

مزید دیکھئے:

ہم نے داسوں کو دو ٹکڑوں میں کاٹ ڈالا، قضاوقدر نے ان کو اسی واسطے پیدا کیا تھا

یہ دعویٰ بھی خوب ہے کہ قضاوقدر نے انہیں اسی لئے پیدا کیا تھا۔ اس حوالے سے اعداد و شمار بھی ملاحظہ ہوں۔

اس نے پچاس ہزار سیاہ فام دشمنوں کو لڑائی میں تباہ و غارت کیا۔ (۲۳)

اب ذرا قیام پاکستان سے قبل کا کچھ احوال دیکھئے! اور فیصلہ کیجئے کہ قیام پاکستان کو ہندوؤں کی عدم برداشت کی پالیسی اور جارحیت پسندی کا منطقی نتیجہ قرار دیا جاتا ہے تو یہ جانبیں کہا جاتا؟

قیام پاکستان اور اس کے بعد مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کا ذکر ذرا بعد میں، ابھی دیکھئے کہ قیام پاکستان سے قبل ہندوؤں کا مسلمانوں سے کیا رویہ تھا؟

قیام پاکستان سے قریبا ۳۰ سال قبل ہی ہندوؤں کی جانب سے مسلم کش فسادات شروع ہو گئے تھے (۲۴) پھر ۱۹۲۲ء میں ہندوؤں کی طرف سے بدنام زمانہ تحریک سنگھٹن شروع ہوئی، اس کے بعد تو ان فسادات کی گویا قطار لگ گئی، ۱۹۲۲ء میں محرم کے موقع پر پہلا بلوہ ہوا، پھر دہلی، الہ آباد، لکھنؤ، ناگ پور، جبل پور، گلبرگہ، شاہ جہاں پور، اور کوہاٹ وغیرہ میں بڑے بڑے فسادات ہوئے، اور لارڈ ارون کے بقول ۱۸ ماہ سے بھی کم عرصے میں ان فسادات میں ۲۵۰ افراد قتل اور ۲۵۰۰ سے زائد زخمی ہوئے۔ اور ڈاکٹر امبیدکر کے بہ قول بمبئی میں فروری ۱۹۲۹ء سے اپریل ۱۹۳۸ء تک کے عرصے کے دوران مسلسل ۲۱۰ روز تک ہنگامے ہوتے رہے۔ ان میں ۵۶۰ افراد قتل ہوئے اور ۱۴۵۰۰ افراد زخمی ہوئے اور مارچ ۱۹۳۱ء میں کان پور میں فسادات میں ۵۰۰ سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ (۲۵)

۲۳۔ محمد طفیل/نقوش، رسول نمبر، لاہور: ج ۴، ص ۳۱۲

۲۴۔ ڈاکٹر اشتیاق حسن قریشی/ برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ۔ جامعہ کراچی، ۱۹۸۹ء: ص ۳۶۳

۲۵۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سید حسن ریاض/ پاکستان ناگزیر تھا۔ جامعہ کراچی، ۱۹۹۲ء: ص ۱۵۰۔۱۵۱

اسی دوران اسلام دشمنی میں ایک اور مسئلہ کھڑا کیا گیا جو گاؤکشی سے متعلق تھا، اس تحریک کی تائید امن عالم کے خود ساختہ علم بردار مہاتما گاندھی نے بھی کی، اس تحریک کے دوران ہندوؤں کے حوصلے اس قدر بلند ہو گئے تھے کہ ۱۹۲۷ء میں سکھر میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کے دوران مہاشہ پرتاب سنگھ نے علی الاعلان ہندوؤں کو کہا تھا:

اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے لے کر کے تک تمام مسلمانوں کو ختم کر دو تو بھی تھوڑا ہے، ہندو دھرم میں جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے لیکن مسلمانوں کا خون پینا جائز ہے، کسی ہندو کو اس کے پینے میں پس وپیش نہیں کرنا ہئے۔(۲۶)

اشتعال انگیزی اور عدم برداشت کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی؟

پھر جب قیام پاکستان کا اعلان ہوا تو ہندوؤں کو مسلمانوں کے قتل عام کا ایک اور موقع مل گیا، چاہئے تو یہ تھا کہ برداشت وتحمل سے کام لیتے ہوئے رضا کارانہ نقل آبادی ہوتی، لیکن اس عمل کو بھی جبری بنا دیا گیا اور اس دوران عام اعداد وشمار کے مطابق ۱۵ سے ۲۰ لاکھ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، جب کہ سردار عبدالرب نشتر کے بہ قول پانچ سے دس لاکھ جانیں گئیں، نوے ہزار عورتیں غیر مسلموں کے قبضے میں چلی گئیں اور اسی لاکھ مسلمان اپنے مال وجائیداد سے محروم ہو گئے۔(۲۷)

ہندوؤں کی عدم برداشت کی ایک مثال اردو زبان ہے، جسے دنیا کی تیسری بڑی زبان تسلیم کیا جاتا ہے (۲۸) قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصے بعد اس کے بارے میں ہندوؤں نے یہ موقف اختیار کر لیا کہ ''اردو کوئی زبان نہیں ہے''۔(۲۹) اور اس کی جگہ ایسی ہندی رائج کرنے کی کوشش کی گئی جس کے متعلق خود ہندوستان کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کو یہ کہنا پڑا:

یہ تو نرے جبڑا توڑ الفاظ کا مجموعہ ہے اور اس طرح کی ہندی کبھی عامۃ الناس کی ہندی نہیں بن سکتی۔(۳۰)

اور آخر کار انہیں صاف لفظوں میں مذہب چھوڑ دینے کا مشورہ دے دیا گیا، اور انہیں ایک ہندو انتہا پسند تنظیم جن سنگھ کے لیڈر حکم چند نے کہا کہ مسلمانوں کو رام غلام اور حولا رام جیسے نام رکھنے چاہئیں، مسلمانوں کو اپنے تہوار بھی نہیں منانے چاہئیں، اور انہیں ہولی، دسہرہ اور بسنت منانی چاہئے۔(۳۱)

۲۶۔ منشی عبدالرحمن خاں، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی۔ ادارۂ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۲ء: ص ۲۸۔ ۲۸

۲۷۔ ایضاً: ص ۲۳۶ ۲۸۔ ایضاً / بہ حوالہ یونیسکو رپورٹ: ص ۳۳۹ ۲۹۔ محولہ بالا

۳۰۔ روزنامہ صدق جدید، لکھنؤ۔ ۲۹ جنوری ۱۹۵۴ء ۳۱۔ روزنامہ نوائے وقت، لاہور۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء

اور ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت زار کے متعلق مسلم لیگ انڈیا کے رہ نما جی،ایم بنات والا کا کہنا ہے کہ قیام پاکستان کے وقت انڈیا میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ۳۰ فیصد تھی اور اب ۳ فیصد بھی نہیں رہی۔(۳۲)

ہندوستان کے ہندوؤں کا یہ رویہ محض مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں بل کہ اس کی لپیٹ میں دوسری غیر مسلم اقلیتیں بھی آرہی ہیں۔ بھارت کے کیتھولک چرچ نے کچھ عرصے قبل ایک رپورٹ میں یہ انکشاف کیا تھا کہ بھارت میں اس سال عیسائیوں پر چند حملوں کے بعد ہندو گروپوں کی مذہب کے خلاف مہم زیادہ منظم ہوگئی ہے۔ دہلی کیتھولک آرچ ڈائیوسز کے ڈائریکٹر کمیونی کیشن فادر ڈومینک ایمانیل نے بتایا کہ ہندوؤں کے حملے اب زیادہ منظم طریقے سے ہو رہے ہیں۔انہوں نے کہا کہ بھارت میں جہاں ۸۰ فیصد ہندو اور ۲ اعشاریہ ۲ فیصد عیسائی ہیں،عیسائی مخالف لٹریچر اب زیادہ پھیلا دیا گیا ہے۔ ایمانیل نے کہا کہ ریاست گجرات کے قبائلی ضلع ڈینگو میں ہندو بنانے کی کئی تقریبات کے منصوبے بنائے گئے ہیں۔انہوں نے کہا کہ اس سال وسط نومبر تک ہندوں کی طرف سے عیسائیوں پر حملوں کے ایک سو واقعات ہو چکے ہیں۔(۳۳)

یہ تھی ہندوؤں کی عدم برداشت کی ایک جھلک۔

یہودیت اور عدم برداشت

آیئے دیکھیں کہ یہود کے عدم برداشت کے سلسلے میں ان کی مذہبی کتب کیا اعداد وشمار نقل کرتی ہیں،کیونکہ اس سے بڑا اعتراف ممکن نہیں ہے،چند حوالے ملاحظہ کیجئے:

> تب سیحون بہ مع اپنی ساری قوم کے یاہص پر ہمارے خلاف لڑنے کو نکلا۔ اور خداوند ہمارے خدا نے اس کو ہمارے ہاتھوں میں کر دیا۔تب ہم نے اس کو اور اس کے بیٹوں کو اور اس کی ساری قوم کو قتل کیا۔اور اس وقت ہم نے اس کے تمام شہروں کو لے لیا۔ اور ہر ایک شہر کے آدمیوں اور عورتوں اور بچوں کو ہلاک کیا،ہم نے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔(۳۴)

اور دیکھئے:

> اور شہر کو بہ مع سب کچھ کہ جو اس کے اندر تھا آگ سے جلایا۔لیکن سونا اور چاندی اور پیتل

۳۲۔انٹرویو جی،ایم بنات والا،صدر مسلم لیگ انڈیا:نشریہ بی بی سی اردو سروس ۱۰،مارچ ۹۹ء

۳۳۔روز نامہ جنگ،کراچی:۲۳دسمبر ۲۰۰۰ء

۳۴۔عہد نامہ قدیم/کتاب الاستثناء:باب۲۔فقرہ ۳۲ تا ۳۴

اور لوہے کے برتن خداوند کے گھر کے خزانے میں جمع کئے۔(۳۵)

اور جب بنی اسرائیل عی کے سب رہنے والوں کو میدان اور بیابان میں قتل کر چکے، جہاں انہوں نے ان کا تعاقب کیا تھا اور وہ سب تلوار کی دھار سے مارے گئے تو سارے بنی اسرائیل عی کی طرف پھرے اور اس کو تلوار کی دھار سے مارا اور سب مرد و زن جو اس مارے گئے بارہ ہزار تھے، وہ سب عی کے رہنے والے تھے۔(۳۶)

اور حال کے عرصے میں اسرائیل کی صورت میں یہودیت نے عدم برداشت کی جو تاریخ رقم کی ہے، وہ بہ جائے خود عالم انسانیت کے لئے لمحۂ فکریہ اور پوری دنیا کے لئے مقامِ عبرت ہے، جس کا آغاز ہی نہایت ظالمانہ تھا، چنانچہ تاریخ کے قاری سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقع پر انہوں نے ستر ہزار سے زائد مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔(۳۷)

عیسائیت اور عدم برداشت

عدم برداشت کے سلسلے میں عیسائیت کی تاریخ بھی ہندوؤں سے کم خفت آمیز نہیں ہے، ان کے بارے میں ایک انگریز ہی کا یہ تبصرہ خاصا برمحل ہے:

عیسائیت اپنے دورِ ابتلا میں صلح و آشتی، عفو و درگزر کی تبلیغ کرتی رہی، لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں نے بہ جائے عفو و درگزر سے کام لینے کے اپنے مخالفین سے عبرت ناک انتقام لیا، کلیسا کا دستور تھا کہ ہر مخالفت کو بہ زورِ شمشیر کچلا جائے گا۔ غیر مذہب کے لوگوں کے لئے عیسائی بننے یا موت کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، ایک راستہ شدید ایذا کا، دوسرا ناقابلِ برداشت جسمانی اذیت کا۔(۳۸)

اس میں شبہ نہیں کہ عیسائیت کی تاریخ شروع ہی سے جبر و تشدد کی تاریخ ہے اور اس کے ہاں

۳۵۔ عہد نامہ قدیم/ کتاب یوشع: باب ۶۔ فقرہ ۲۴

۳۶۔ ایضاً/ باب ۸۔ فقرہ ۲۴، ۲۵۔ عہد نامہ قدیم کی متعدد کتب خصوصاً کتاب یوشع اس قسم کے بیانات سے پر ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے۔ کتاب یوشع کے باب ۷۔ فقرہ ۱۹۔ ۲۳۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ باب ۱۰۔ فقرہ ۱۰۔ ۱۱۔ ۲۰۔ ۲۶۔ ۳۰۔ ۳۳۔ تا ۴۲۔ باب ۱۱، فقرہ ۸ تا ۲۱۔ وغیرہ

37.Arnold toyn bee J. / Astudy of history V012

38.Artur Gilman / The Saracens, P-184, London, 1887

برداشت وتحمل کا رجحان کہیں مطلق نظر نہیں آتا، آج تو اس کا بڑا ہدف اسلام اور مسلمان ہیں لیکن اس نے اپنے آغاز میں یہودیت کو بھی برداشت نہیں کیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصے قبل ۶۱۰ء میں شہنشاہ فوقا (Phocas) نے یہودیوں کی سرکوبی کے مشن پر انطاکیہ میں اس دور کے معروف فوجی افسر بنوسوس (Bonosus) کو بھیجا، جس نے پوری یہودی آبادی کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح کہ ہزاروں کو تلوار سے سیکڑوں کو دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کیا۔ (۳۹)

پھر اس کے ۲۰ برس بعد ۶۳۰ء میں رومی سلطنت کے شہنشاہ ہرقل (Heraclius) نے عیسائی پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کے ایما پر یہودی مفتوحین کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی سلطنت میں صرف وہی یہودی باقی بچے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں پہ چھپے رہنے میں کامیاب ہو گئے۔ (۴۰)

عیسائیت کی عدم برداشت کا جائزہ لینا ہے تو پھر ہسپانیہ کی تاریخ اور سقوط غرناطہ سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں، یہ عدم برداشت کی کتنی بڑی مثال ہے کہ عیسائیت سے یورپ کے قلب میں ایک مسلمان آبادی کا وجود برداشت نہ ہوا، حال آں کہ مغرب نے علوم وفنون کے سلسلے میں مرحوم ہسپانیہ کی جس قدر خوشہ چینی کی، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، اس طرح ہسپانیہ اپنے اندر عیسائیت کی عدم برداشت کی ہی نہیں احسان فراموشی کی بھی اندوہ ناک داستان رکھتا ہے۔

ہم اس حصے کو معروف مسلمان محقق محمد مارماڈیوک پکتھال کے ایک مختصر تبصرے پر ختم کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

> کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہسپانیہ، صقلیہ اور اپالیہ میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام ہوا کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہا، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا کہ ان کا نام ونشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی لفظاً ومعناً اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ (۴۱)

انگریز اور برداشت وتحمل

دنیا کے ان تین بڑے مذہب کے بعد اپنے آپ کو دنیا کی سب سے مہذب قوم تصور کرنے والے انگریزوں کی قوت برداشت کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے، یہاں صرف ان اقدامات کا سرسری جائزہ لیا جائے

۳۹۔ سید ابوالحسن علی ندوی/ انسان دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔ مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۶۷ء: ص ۵۷ ۴۰۔ محولہ بالا

۴۱۔ محمد مارماڈیوک پکتھال/ اسلامی کلچر۔ اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب منیر۔ مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور: ص ۸۲

گا جوانہوں نے مقبوضہ ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف کئے، انگریزوں کی مسلم دشمنی اور عدم برداشت کے مناظر جب تاریخ کے صفحات میں مستند حوالوں سے سامنے آتے ہیں تو یہ باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آج اپنے آپ کو مہذب ترین قرار دینے والی انگریز قوم کیا اس حد تک گر سکتی ہے کہ انسانیت کو اس کے ذکر سے بھی ندامت محسوس ہونے لگے، سچ ہے کہ انسانی حقوق کی پامالیوں کی یہ داستان ایک ''تہذیب یافتہ'' قوم نے اپنے خونی سنگینوں سے لکھی ہے، چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

۲۷ جنوری ۱۸۵۷ء کو جب بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا گیا تو اس کے کچھ ہی عرصے بعد چند غدارانِ وطن کی نشاندہی پر کیپٹن ھڈسن نے ہمایوں کے مقبرے سے شہزادوں، مرزا مغل، خضر سلطان، مرزا ابوبکر اور عبداللہ کو گرفتار کیا، اور انہیں شہر سے ایک میل دور لے جا کر برہنہ کر کے گولیوں سے شہید کر دیا گیا، پھر ان کے سر ایک طشت میں رکھ کر بادشاہ کو پیش کئے، پھر ان کی لاشیں کوتوالی کے سامنے لٹکا دی گئیں اور ان کے سر جیل کے خونی دروازے پر لٹکا دیئے گئے، ہڈسن نے اسی پر بس نہیں کیا بل کہ اس کی درندگی اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے شہزادوں کا خون چلو بھر کر پیا اور کہا کہ ''اگر میں خون نہ پیتا تو میرا دماغ خراب ہو جاتا''۔ (۴۲)

انگریزی وحشت اس پر بس نہیں کرتی انہوں نے ''باغیوں'' کو سزا دینے کا ایک بڑا ہی دل خراش طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ باغی کو توپ سے باندھ کر اڑا دیتے تھے، ایسے ہی ایک واقعے کا ذکر ایک انگریز یوں کرتا ہے:

> ایک روز توپ کے بڑے دھماکے کی آواز سے ہم چونک پڑے جس کے ساتھ ہی ایک ناقابلِ بیان دھیمی مگر وحشت ناک چیخ بھی سنائی دی، دریافت کرنے پر ایک افسر نے ہمیں بتایا کہ یہ ایک نہایت ہی کرب انگیز نظارہ تھا، ایک توپ میں بارود زیادہ بھر گیا جس کے چلانے سے ملزم کا گوشت ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا اور تماشائیوں پر خون کے چھینٹے اور گوشت کے ٹکڑے گرے اور اس کا سر ایک راہ رو پر اس زور سے گرا کہ اسے بھی چوٹ آئی۔ (۴۳)

اس سارے تشدد کا مقصد ایک اور انگریز کے الفاظ میں فقط یہ تھا کہ ان بدمعاش مسلمانوں کو بتا دیا

۴۲۔ جانباز مرزا/ انگریز کے باغی مسلمان: ص ۱۳۴

۴۳۔ ایڈورڈ تھامسن/ انقلاب ۱۸۵۷ء، اردو ترجمہ Other Side of the Medal / مترجم شیخ حسام الدین۔ گوتم پبلشرز لاہور، ۹۳ء: ص ۴۱

جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کر سکیں گے۔ (۴۴)

انگریز کی اس تشدد پسندی اور قتلِ عام نے مسلمانوں کے محلے کے محلے صاف کر دیئے، کوئی حویلی تاراج کئے بغیر نہیں چھوڑی گئی، درختوں پر بھی پھانسیاں آویزاں کر دی گئی تھیں، دہلی کے ان کشتگانِ فرنگ کا تخمینہ ۲۷ ہزار لگایا گیا ہے۔ (۴۵)

امریکہ، اور برداشت وتحمل

انگریز کے مختصر تذکرے کے بعد مختصراً امریکہ کا ذکر، امریکہ کی جانب سے مسلمانوں کے بارے میں کئے جانے والے اقدامات علیحدہ سے توجہ کے متقاضی ہیں۔ خصوصاً سابقہ دو عشروں میں پہلے افغانستان پر حملہ اور عراق پر مسلسل بم باری اور پابندیاں جن کے نتیجے میں ہی ایک تا ۹ لاکھ سے زائد بچے صرف خوراک اور ادویات کی عدم فراہمی کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے۔ (۴۶) اس کے علاوہ امریکی اقدامات کے نتیجے میں ۳۰ فیصد عراقی بچے اسکول کی تعلیم ختم کرنے پر مجبور ہو گئے، اور ہر ماہ چھ ہزار بچے غذائی کمی اور بیماریوں کے سبب موت کے منہ میں جانے پر مجبور ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دو کروڑ تیس لاکھ افراد مہاجر کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ (۴۷) پھر بالآخر اس نے عراق پر حملہ کر ہی دیا۔ جس کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کا اب تک صحیح اندازا کیا ہی نہیں جا سکا، اس لئے کہ یہ حملہ کسی نہ کسی صورت میں آج بھی جاری ہے۔ لیکن یہ نقصان ہزاروں افراد کی بے گناہ ہلاکت، لاکھوں افراد کی در بدری، پورے ملک کی تباہی اور وہاں کے شہریوں کی شیعہ اور سنی دھڑوں میں تقسیم سے کہیں زیادہ ہے۔

لیکن یہاں صرف جاپان پر اس کے ایٹمی حملوں کے اعداد وشمار پیش کئے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ ۱۹۴۵ء میں امریکہ اور جاپان کی جنگ میں دو چھوٹے ایٹم بم جاپان پر پھینکے گئے تھے ان میں پہلا ''ہیروشیما'' پر اور دوسرا صرف تین روز بعد ''ناگاساکی'' پر اور ان کے نتیجے میں ایک لاکھ دس ہزار سے زائد افراد ہلاک اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔ (۴۸) اور اس کے مابعد اثرات ان کے علاوہ ہیں۔

۴۴۔ ایضاً: ص ۳۹۔ انگریز کے مظالم کی تفصیل کے لئے اس کے علاوہ دیکھئے: جانباز مرزا/ انگریز کے باغی مسلمان۔ سید فضل الرحمٰن/ تحریک پاکستان کے فکری محرکات اور پروفیسر سید محمد سلیم/ تاریخ نظریہ پاکستان

۴۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ/ دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۸۹ء: ج ۲۳، ص ۱۸۳

۴۶۔ روزنامہ ڈان کراچی: ۲۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

۴۷۔ روزنامہ جنگ، کراچی: ۱۹ اپریل ۲۰۰۰ء

۴۸۔ روزنامہ جنگ کراچی: ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

تحمل و برداشت کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اقدامات کا پس منظر

یہاں یہ ضروری ہے کہ برداشت و تحمل اور مخالفین سے حسنِ سلوک اور رواداری کے سلسلے میں آپ ﷺ کے اقدامات کا مفصل جائزہ لینے سے قبل اس تاریخی و تہذیبی پس منظر پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے، جس میں آپ ﷺ نے آنکھ کھولی اور جو ماحول آپ کے اردگرد موجود تھا۔ درحقیقت ایک ایسے ماحول میں جو جنگ جوئی، خون خواری اور دہشت انگیزی میں اپنی مثال آپ تھا، آپ ﷺ کا امنِ عامہ، فلاح انسانیت، صبر و تحمل، قوتِ برداشت اور ہمہ جہت رواداری کے لئے کام کرنا بہ جائے خود آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل اور نبوت کا اعجاز ہے۔ آج یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص اس پس منظر سے صرفِ نظر کر کے آپ اکی دعوت، سعی و کوشش، آپ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے کردار و عمل کے بارے میں صحیح رائے قائم کر سکے، اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے آپ کی مساعی اور کارناموں سے کما حقہ واقف ہو سکے۔ اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان تھا کہ جو شخص اسلامی عہد میں پیدا ہوا ہو اور وہ دورِ جاہلیت سے واقفیت نہیں رکھتا وہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو نہیں جان سکتا جو انسانیت کے حالات میں انقلابی تبدیلی کے لئے اور اسے دورِ ظلمت سے نکال کر روشنیوں میں لانے کے لئے کئے تھے۔ (۴۹)

اہل عرب کی سفاکی کا یہ عالم تھا کہ زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے اور ان پر تیر اندازی کی مشق کرتے، لڑائیوں میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے، منت مانتے کہ دشمن کو قتل کریں گے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے، مجرموں کو درختوں کی ٹہنیاں جھکا کر اس کے اعضا ان میں باندھ دیتے اور ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے اس طرح مجرموں کا بدن چر کر ٹہنیوں کے ساتھ رہ جاتا، کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے، ان کے بدن کے ٹکڑے اڑ جاتے۔ کسی شخص کو قید کر کے اس کا کھانا پانی بند کر دیتے حتیٰ کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ (۵۰)

عربوں کے دورِ جاہلیت میں جذبۂ انتقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ عرب جو شراب پر جان دیتے تھے انتقام لینے سے قبل اپنے لئے شراب پینا حرام سمجھتے تھے۔ (۵۱)

۴۹۔ رشید رضا/ تفسیر المنار۔ دار المنار، مصر، ۱۳۶۷ھ: ج ۱، ص ۲۴

۵۰۔ شبلی نعمانی/ سیرت النبی ﷺ۔ دار الاشاعت، کراچی: ج ۴ ص ۱۶۱

۵۱۔ محمود شکری آلوسی/ بلوغ الارب فی احوال العرب/ اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۶۷ء: ج ۳، ص ۴۹۰

یہ تھا عرب کی جنگجوئی اور سفا کی کا خلاصہ۔(۵۲)

اس جنگ جوئی سفا کی اور بے رحمی پر غور کیجئے اور پھر آپ ﷺ کی رواداری، قوتِ برداشت، تحمل و بردباری، صبر واستقامت اور رحم وترحم کا مشاہدہ کیجئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ ان حالات میں ان اقدامات کے سلسلے میں آپ ﷺ کو کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا؟ اور آپ کیا کیا مشکلات پیش آئی ہوں گی؟

اسلامی غزوات اور عالمی جنگوں کا تقابل، اعداد وشمار کے آئینے میں

آیئے اب دیکھیں کہ اسلامی غزوات میں ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد بین الاقوامی سطح پر لڑی جانے والی لڑائیوں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے اور پھر فیصلہ کریں کہ اس کے بعد اسلامی غزوات کو بربریت کا نام دینا اور جہاد کے مقدس لفظ کی توہین کرتے ہوئے اسے مسخ کرکے پیش کرنا کس قدر قرین انصاف ہے۔

قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ علیہ کے بیان اور تحقیق کے بہ موجب ان تمام غزوات وسرایا میں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آئے مسلمانوں کے مجموعی طور پر ۲۵۹ افراد شہید اور ۱۲۷ افراد زخمی ہوئے۔ جبکہ مخالفین کے مقتولین کی تعداد ۷۵۹ اور اسیروں کی تعداد ۶۵۶۴ ہے، اس طرح ان جنگوں میں کل ۱۰۱۸ افراد قتل، ۱۲۷ زخمی اور ۶۵۶۵ قید ہوئے (ان میں مسلمانوں کا ایک اسیر بھی شامل ہے) حال آں کہ ان غزوات میں وہ واقعات بھی شامل ہیں جو معروف معنٰی میں لڑائی تھی ہی نہیں، یا تو فریقین کی غلط فہمی کا نتیجہ تھا یا پھر مجرموں کی سرکوبی کے لئے ٹیمیں روانہ کی گئی تھیں۔(۵۳) جب کہ معروف محقق ڈاکٹر حمید اللہ کا دعویٰ ہے کہ دشمن کے جتنے لوگ مدنی زندگی کے دس سالوں میں مرے ہیں ان کی تعداد اوسطاً فی مہینہ دو بھی نہیں، اور کل دوسو چالیس افراد بھی مخالفین کے نہیں مرے جب کہ مسلم مقتولوں کی تعداد اس سے بھی کم ہے۔(۵۴) اب دو عالمگیر جنگوں کے نقصانات کے اعداد وشمار ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے ان دونوں میں کوئی مناسبت ہے۔

جنگ عظیم اول میں جو ۱۵۶۵ دنوں تک جاری رہی، اس میں ہلاک ہونے والے تقریباً ۹ ملین (۹۰ لاکھ) اور شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین (دو کروڑ ۲۰ لاکھ) اور اپاہج اور معذور ہونے

۵۲۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، بلوغ الارب ج:۳، ص۴۹۰ تا ۴۹۴، وسیرت النبی، ج:۴، ص ۱۴۸۔۱۶۱، اور ابوالکلام آزاد/ اسلام کا نظریۂ جنگ۔ بساط ادب، لاہور، ۱۹۸۷ء: ص ۹

۵۳۔ قاضی سلیمان منصور پوری/ رحمۃ اللعالمین۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۳ء: ج ۲، ص ۲۱۳

۵۴۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ/ خطبات بھاول پور۔ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء: ص ۲۳۹

والے ۲۵ ملین (دو کروڑ ۵۰ لاکھ) تھے، یہ اعداد و شمار میدان جنگ کے ہیں جب کہ شہروں میں مرنے والے اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس جنگ میں مجموعی طور پر ساڑھے چھ کروڑ افراد دھکیلے گئے، ایک کروڑ فوجی میدان جنگ میں ہلاک ہوئے، ڈیڑھ کروڑ شہری قتل ہوئے، دو کروڑ سے زائد افراد دائمی معذوری کا شکار بنے، لاکھوں بچے یتیم ہوئے، پچاس لاکھ عورتیں بیوہ ہوئیں، لاکھوں عورتیں بچے، فوجی اور شہری لاپتہ ہوئے۔ (۵۵)

جب کہ دوسری جنگِ عظیم کا احوال اس سے بھی زیادہ خوف ناک ہے، اس میں ہلاک ہونے والے فوجی اور شہری افراد کی تعداد ۵۴٫۸ ملین تھی، اس جنگ میں کل ۱٫۵ ٹریلین ڈالر لاگت آئی، جو تاریخ کی تمام جنگوں پر آنے والی لاگت سے زیادہ تھی۔ (۵۶) اس جنگ میں ۲۰ ملین (دو کروڑ) افراد معذور ہوئے، اور ۱۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہا دیا گیا۔ (۵۷) یہ تھی ''حقوق انسانی کے علم برداروں'' کے ہاتھوں انسانیت کی بے توقیری۔

اس حصے کے اختتام سے قبل اسی مناسبت سے واشنگٹن پوسٹ کی حالیہ تحقیقاتی رپورٹ بھی ملاحظہ کر لیجئے، جس کے مطابق گزشتہ دو ہزار برسوں کے درمیان بڑی جنگوں میں ہلاک ہونے والوں کی مجموعی تعداد ۱۴ کروڑ ۹۰ لاکھ ہے، جن میں سے ۱۰ کروڑ افراد صرف ۲۰ ویں صدی میں ہلاک ہوئے۔ (۵۸)

اب اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں کے ذمے مسلمانوں کی جانب سے اس سوال کا جواب باقی ہے کہ ان اعداد و شمار میں مسلمانوں کا کتنا حصہ ہے۔ ہم اپنی اس گفتگو کو مشہور مغربی مؤرخ الفریڈ اسمتھ (Alfred Smith) کے اس بیان پر ختم کرتے ہیں جو تسلیم کرتا ہے کہ اسلام نے ہمیشہ نظریاتی فتح حاصل کی ہے، وہ کہتا ہے:

> پیغمبر اسلام نے رواداری کے جو اصول وضع کئے تھے مسلمانوں نے ان پر سختی سے عمل کیا، ان اصولوں کے مطابق عیسائی اور یہودی بھی مسلم ریاست میں امن و سلامتی کی زندگی بسر کر سکتے تھے اور اپنے مذہب پر قائم رہ کر وہ تمام شہری حقوق حاصل کر سکتے تھے جو مسلمانوں کو حاصل تھے، مسلم فاتحین کی رواداری اور اسلامی نظریۂ حیات کی کشش لاکھوں عیسائیوں اور

۵۵۔ روزنامہ جنگ کراچی: ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

۵۶۔ ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی: ۲۵ ستمبر ۱۹۹۵ء

۵۷۔ روزنامہ جنگ کراچی: ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

۵۸۔ ایضاً: ۱۴ مارچ ۱۹۹۹ء

یہودیوں کو دائرہ اسلام میں لے آئی، یہ مسلمانوں کی عسکری فتح نہیں نظریاتی فتح تھی۔(۵۹)

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصولِ جنگ

یہ بات خود عین عدل وانصاف ہے کہ جب کسی بھی جانب سے مظالم حد سے تجاوز کر جائیں تو اس گروہ یا قوم کو حد اعتدال میں لانے کے لئے کوشش کی جائے، اس طرح جب کسی بھی طرف سے خود اپنی ذات کو یا ملک وقوم کو خطرہ ہو یا کسی بھی جانب سے حملہ کیا جائے اور اپنی جان معرض خطر میں پڑ جائے تو اس ظلم وتعدی کو روکنے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔

جنگ ایک ناگزیر ضرورت

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اسلام کی نظر میں انسانی جان کی بے حد قدر و قیمت ہے، اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی جان کی حرمت کو بیان کر کے اس کا پاس رکھنے کی تاکید کی ہے اور ایسا نہ کرنے والے کو سخت گناہ کا مرتکب قرار دیا ہے، کیوں کہ جب انسانی جان کا یہ احترام اٹھ جائے اور انسان کی عزت اور تکریم پامال ہونے لگے تو معاشرے میں انفرادی اور اجتماعی فساد پھیلنا شروع ہو جاتا ہے اور جب ایک بار یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے تو دراز سے دراز تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یوں انسانی جان کی حرمت اٹھ جاتی ہے اور افراد، گروہ، جماعتیں اور سب سے بڑھ کر ریاستیں اور حکومتیں اس فتنے میں مبتلا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ پھر نہ افراد کے حقوق محفوظ رہتے ہیں نہ قوموں اور جماعتوں کی عزتیں محفوظ رہتی ہیں۔ اس فساد کے نتیجے میں نسلوں کی نسلیں برباد ہو جاتی ہیں، فصلیں اجڑ جاتی ہیں، شہر تباہ ہو جاتے ہیں اور شخصی اور مذہبی آزادی سلب ہو جاتی ہے۔ یہ صورت حال کسی طرح بھی قابل برداشت نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق و مالک ہے، ظلم بڑھنے لگتا ہے تو وہ اسے ختم کر دیتا ہے، قرآن کریم میں ایک مقام پہ قوموں کی باہمی عداوت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (۶۰)

یہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور وہ ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۵۹۔ ابو محمد امام الدین/ غیر مسلم مشاہیر عالم اور محاسن اسلام۔ صدیقی ٹرسٹ، کراچی: ص ۹

۶۰۔ المائدہ: ۶۴

جب یہ صورت حال پیدا ہو جائے، یا پیدا کر دی جائے تو پھر جنگ جائز ہی نہیں فرض ہو جاتی ہے، بل کہ اس وقت ایسی آمادۂ شر و فساد قوموں سے لڑنا خود انسانیت کا تقاضا اور مطالبہ ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں ظلم کی زبانی مذمت کام نہیں دیتی، بل کہ عملی طور پر میدان میں اتر کر ظالم کا ہاتھ پکڑنا اور اسے ظلم سے، جبر و تشدد سے، طاقت کے بے جا استعمال اور قوت کے بے محابا مظاہرے سے روک دینا ہی انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہوتی ہے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اپنی مخلوق کے حق میں یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس کی دھرتی کو ظالموں سے پاک کر دیا جائے۔ اور اس کی مخلوق کو جبر اور تشدد سے نجات دلائی جائے کہ ایسے وقت ہی آگے بڑھ کر ظلم کو روک دینا ہی مصلحت وقت کا صحیح تقاضا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی جانب قرآن کریم ہماری یوں راہنمائی کرتا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ (۶۱)

یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے، محض یہ کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ ایک دوسرے کو نہ ہٹاتا رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔

یہ بات بالکل درست ہے۔ اب ایسی صورت میں جب ایک شخص یا گروہ آپ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر کمر بستہ ہو کیا محض انصاف کی دھائی دے کر انسان خاموش بیٹھ رہے گا یا عملی اقدامات کرے گا؟ اگر ہم انسانی نہیں بل کہ عام حیوانی فطرت کا بھی مطالعہ کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ظلم و جبر کا شکار ہر جان دار اپنے تحفظ کی اپنی سی کوشش ضرور کرتا ہے۔ کیا اسے ناانصافی قرار دیا جا سکتا ہے؟ کیا اسے دہشت گردی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو کیا اس کے دماغی خلل میں کوئی شبہ کیا جا سکتا ہے؟

قرآن کریم یہی حقیقت دوسرے مقام پر ایک اور واقعے کے ضمن میں یوں بیان کرتا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۶۲)

اور اگر اللہ بعض کے ذریعے بعض کو دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ مخلوق پر فضل کرنے والا ہے۔

۶۱۔ الحج: ۴۰ ۶۲۔ البقرہ: ۲۵۱

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا وہ خیالی مفروضے نہیں آج کی جیتی جاگتی حقیقتیں ہیں، اور موجودہ حالات نے تو اسلام کے اس فلسفے کی حقیقت پر سے باریک پردے بھی اٹھا دیئے ہیں۔ یہ حالات خود اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ جنگ ایک ناگزیر ضرورت ہے، جیسے مریض کے مرض کو زائل کرنے کے لئے ڈاکٹر کی جانب سے لگایا جانے والا نشتر کسی بھی تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا، اسی طرح انسانی معاشرے سے اس فاسد مواد کو زائل کرنے کے لئے جو اس کی بقا، سالمیت اور چین وسکون کے لئے خطرہ بن رہا ہو جہاد کی صورت میں لگائے جانے والے کسی بھی نشتر کو انصاف کے خلاف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ایسا کہنا خود ناانصافی اور ظلم کے ہاتھ مضبوط کرنے کے مترادف ہے، اگر ظالم اپنے ظلم کو برقرار رکھنے اور اسے فروغ دینے کے لئے لڑسکتا ہے، اور لڑتا ہے تو پھر مظلوم اور انصاف پسند طبقہ اس ظلم کو ختم کرنے اور حق کی بلادستی برقرار رکھنے کے لئے بہ درجہ اولیٰ لڑنے کا حق رکھتا ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ اسے لڑنا چاہئے، اور اسے اپنا آنے والا کل بچانے کے لئے اپنا آج قربان دینا چاہئے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو کس خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انصر اخاك ظالما او مظلوما، قيل يا رسول الله ﷺ هذا ننصره مظلوما فكيف ننصره ظالماً قال تمنعه من الظلم (۶۳)

اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! مظلوم کی مدد تو ہم کرتے رہتے ہیں مگر ظالم کی مدد کیسے کریں؟ فرمایا ظالم کو ظلم سے روک دو، یہ بات خود ظالم ــــ ساتھ بھی خیر خواہی اور بھلائی کا حکم رکھتی ہے۔

لیکن اسلام محض جہاد اور جنگ کو ایک ناگزیر ضرورت قرار نہیں دیتا، بل کہ اسے ضرورت تک محدود رکھنے کے عملی اقدامات بھی کرتا ہے اور ایسے احکامات دیتا ہے جس کے نتیجے میں جہاد فساد کی شکل اختیار نہ کرے، یہی احکامات اسلام اور نبی اسلام نبی رحمت علیہ الصلاۃ والسلام کا انسانیت کے لئے عظیم تحفہ ہیں، آپ ﷺ سے قبل دنیا لڑائی، قتال اور جنگ سے تو واقف تھی، دشمن سے انتقام اور بدلہ لینے سے بھی آگاہ تھی، لڑائی بھڑکا دینا اور بھڑکتی ہوئی لڑائی کو آگے بڑھا دینا ان کے لئے آسان تھا مگر وہ اس کے لئے کسی قاعدے اور ضابطے کے پابند نہیں تھے، وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ لڑنے والے کی بھی خیر خواہی کی جاسکتی ہے؟ اس سے بھی ہمدردانہ سلوک روا رکھا جانا چاہئے، لڑنے کی بھی حدود وقیود ہیں، جنگ کے لئے بھی قاعدے اور ضابطے مقرر ہیں، لڑنے والا جان دار بھی کچھ حقوق رکھتا ہے، اور دشمن قوم یا قبیلے سے لڑتے ہوئے بھی

۶۳۔ مسند احمد: ج ۴، ص ۵۸، رقم ۱۲۶۶۶۔

انصاف کرنا کوئی ضروری امر ہے، اور اگر دشمن گروہ سے بھی انصاف کرنا ضروری ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی۔ یہ تمام ہدایات نبیٔ رحمت کا عطیہ ہیں، اور انسانیت کو اس سے بہتر عطیہ تاریخ انسانیت میں آپ ﷺ کے علاوہ کسی نے نہیں دیا۔ ذیل میں ان ہی ضابطوں کے بارے میں چند اشارے کئے جاتے ہیں کہ یہ خود ایک طویل موضوع ہے:

سفینہ چاہئے اس بحرِ بے کراں کے لئے

مقصد پر نظر

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل جنگ یا تو قبائلی اور گروہی مقاصد کے تحت لڑی جاتی تھی یا حکم رانوں کی ہوس کے زیر اثر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر اس ظلم کی سختی سے ممانعت فرمائی اور یہ رجحان یک سر ختم کر دیا، اس کا سب سے بڑا سبب اسلام کا عقیدۂ توحید ہے، جسے آپ ﷺ نے اس کی اصل شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا، جس کی رو سے پوری کائنات اللہ کی ملکیت ہے، اس بنا پر اس پر قبضہ انسان کا مقصد اصلی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس وجہ سے اسلامی نقطۂ نظر سے جنگ کا اصل مقصد حریف مقابل کو ہلاک کرنا اور اس کو نقصان پہنچانا نہیں بل کہ محض اس کے شر کو رفع کرنا ہے، اس لئے اس قوت کا استعمال صرف ان ہی طبقوں کے خلاف ہونا چاہئے جو عملاً برسر پیکار ہوں یا جن سے شر کا اندیشہ ہو، باقی تمام انسانی طبقات کو جنگ کے اثرات سے محفوظ رہنا چاہئے اور دشمن کی ان چیزوں تک بھی ہنگامہ کارزار کو متجاوز نہ ہونا چاہئے جن کو اس کی جنگی قوت سے کوئی تعلق ہو۔ جنگ کا یہ تصور ان تصوارت سے مختلف تھا جو عام طور پر غیر مسلم دماغوں میں موجود تھے۔ اس لئے اسلام نے تمام رائج الوقت اصطلاحات کو چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ کی الگ اصطلاح وضع کی جو اپنے معنی، موضوع لہ پر ٹھیک ٹھیک دلالت کرتی ہے اور وحشیانہ جنگ کے تصورات سے اس کو بالکل جدا کر دیتی ہے۔ (۶۴)

صرف یہی نہیں بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے تصورات کی بھی اصلاح کی اور ان کے قلوب واذہان سے غیر انسانی تصورات کو دور فرما دیا، آپ ﷺ نے ہی جہاد صحیح اور انسانی تصور سے انسان کو پہلی بار روشناس کرایا، ورنہ آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کی عقلیں یہ سمجھنے سے قاصر تھیں کہ جب مال و دولت کے لئے جنگ نہ کی جائے، ملک و زمین کے لئے نہ کی جائے، شہرت و نام وری کے لئے نہ کی جائے، حمیت وعصبیت کے لئے نہ کی جائے تو پھر جنگ کا اور کون سا مقصد ہوسکتا ہے جس کے لئے انسان

۶۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی: الجہاد فی السلام۔ اسلامک پبلی کیشنز، لاہور: ص ۱۷۷

اپنی جان جوکھوں میں ڈال دے؟ وہ ایسی جنگ کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے جس کو انسان کی خودغرضی اور نفسانیت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ لہٰذا داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا کام یہی کیا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے معنی اور حدود کو جو اسے جہاد فی سبیل الطاغوت سے ممتاز کرتے ہیں پوری طرح واضح کر دیا اور مختلف طریقوں سے جنگ کے اس پاک تصور کو لوگوں کے ذہن نشین کیا۔ (۶۵)

آپ ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ جہاد کی اگر صورت پیش آجائے تو پھر مقصد صرف مخلوق کی خدمت اور اللہ کی رضا ہونا چاہئے، اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے احکامات سے سرمو تجاوز نہیں کرنا چاہئے، نہ کوئی اور تصور، خیال، مقصد یا خواہش قلوب واذہان میں پیدا ہونی چاہئے، چناں چہ روایت میں آتا ہے۔

عن ابی موسی الاشعریؓ قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر، والرجل یقاتل لیری مکانه فمن فی سبیل الله؟ قال، من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله (۶۶)

ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور بولا کہ کوئی شخص مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے، کوئی شہرت و نام وری کے لئے جنگ کرتا ہے، کوئی اپنی بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے، فرمایئے ان میں سے کس کی جنگ راہِ الٰہی میں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ راہِ الٰہی کی جنگ تو صرف اس شخص کی ہے جو محض کلمۃ اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے لڑے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری روایت میں اس کی مزید وضاحت فرمائی، روایت میں آتا ہے:

عن معاذ بن جبلؓ عن رسول الله ﷺ انه قال الغزو غزوان، فاما من ابتغی وجه الله واطاع الامام وانفق الکریمة واجتنب الفساد فان نومه ونبهه اجر کله، واما من غزا ریاء وسمعة وعصی الامام وافسد فی الارض فانه لم یرجع بالکفاف (۶۷)

معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لڑائیاں دو قسم کی ہیں: جس شخص نے خالص اللہ کی رضا کے لئے لڑائی کی اور اس میں امام کی اطاعت کی، اپنا بہترین

۶۵۔ ایضاً: ص ۱۷۸

۶۶۔ بخاری: ج ۳، ص ۳۴، رقم ۲۶۵۵۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۵۱۲، رقم ۱۹۰۴۔ ترمذی: ج ۴، ص ۱۷۹، رقم ۱۶۴۶

۶۷۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۱۳، رقم ۲۵۱۵۔ الدارمی: ج ۲، ص ۲۷۴، رقم ۲۴۱۷۔ مالک: ج ۲، ص ۴۶۶، رقم ۹۹۸

مال خرچ کیا اور فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا جاگنا سب اجرا کا مستحق ہے، اور جس نے دنیا کے دکھاوے اور شہرت و نام وری کے لئے جنگ کی اور اس میں امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی نہ چھوٹے گا یعنی الٹا عذاب ہوگا۔

ملاحظہ کیجئے کہ یہاں نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فساد کو جہاد سے الگ کرتے ہوئے جہاد کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور فساد کو یک سر مسترد کیا ہے۔

ایک اور روایت میں اسلامی ضابطے کے خلاف ورزی کرنے والے شخص کے لئے سخت وعید بیان فرمائی:

عن ابی هريرةؓ قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم اول الناس يقضى لهم يوم القيامة عليه رجل استشهد فاتى به فعرفه نعمه قال فعرفها قال فما عملت ؟ قال قاتلت فيك حتىٰ استشهدت قال كذبت و لكنك قاتلت ليقال فلان جرى فقد قيل ثم امر به فسحب على وجهه حتىٰ القى فى النار (٦٨)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین قسم کے آدمیوں کا فیصلہ کیا جائے گا، پہلے وہ شخص لایا جائے گا جو لڑ کر شہید ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں جتائے گا اور جب وہ ان کا اقرار کرے گا تو پھر اللہ پوچھے گا کہ تو نے میرے لئے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے تیرے لئے جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ بولا، تو تو اس لئے لڑا تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بڑا جری ہے، سو تیرا مقصد پورا ہوگیا، پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے عذاب کا حکم دے گا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

جب کہ اسی نوعیت کا ایک واقعہ اس طرح منقول ہے۔

عن عبد الله بن مسعود قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يجئى الرجل اخذا بيد الرجل فيقول يا رب هذا قتلنى فيقول الله له لم قتلته؟ فيقول قتلته لتكون العزة لك فيقول فانها لى ويجى الرجل آخذا بيد الرجل فيقول ان هذا قتلنى فيقول الله لم قتلته؟ فيقول لتكون العزة لفلان فيقول

٦٨۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۵۱۳، رقم ۱۹۰۵۔ نسائی: ج ۶، ص ۲۳، رقم ۳۱۳۷۔ حاکم: ج ۲، ص ۱۲۰، رقم ۲۵۲۴

انها ليست لفلان فيوء باثمه (٦٩)

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک شخص دوسرے شخص کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے گا اور عرض کرے گا کہ اے رب اس نے مجھے قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ دریافت کرے گا کہ تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے اسے اس لئے قتل کیا تھا کہ عزت تیرے لئے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہاں عزت میرے ہی لئے ہے۔ پھر ایک دوسرا شخص ایک شخص کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے گا اور عرض کرے گا کہ اس نے مجھے قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ وہ کہے کہ گا میں نے اسے اس لئے قتل کیا کہ عزت فلاں کے لئے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ عزت اس کا حق تو نہ تھی۔ پھر وہ اس کے گناہ میں پکڑا جائے گا۔

اسلام تو اس معاملے میں اس قدر حساس ہے کہ ایک روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں،

عن عبادة بن صامت من غزا في سبيل الله ولم ينو الا عقالا فله مانوى (٧٠)

جس شخص نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور صرف ایک اونٹ باندھنے کی رسی کی نیت بھی کر لی تو اس کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔

ان تعلیمات کا نتیجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص آپ ﷺ کے حکم پر انسانیت کی فلاح اور خیر خواہی کے جذبے سے اس انتہائی اقدام کی طرف بڑھتا ہے تو اس کی نیت کی مکمل طور پر فاسد خیالات اور مضر نظریات سے تطہیر ہو چکی ہوتی ہے، پھر وہ اور اس کا ہر قدم انسانیت کی فلاح کے لئے اٹھتا ہے اور انسانیت کو اس سے کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ ان حالات میں وہ تلوار ضرور اٹھاتا ہے مگر صرف اس لئے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ باقی نہیں رہتا۔ اور محض اس وقت تک تلوار سے اس کا رشتہ برقرار رہتا ہے جب تک دنیا کو اس ضرورت ہوتی ہے۔

جنگ کی خواہش کی ممانعت

اسلام نے ہر طرح کے غلط مقاصد اور غیر انسانی خواہشات کے لئے جنگ کا راستہ بند کر دیا ہے۔ شہرت و ناموری کی طلب، عزت و فرماں روائی کی خواہش، مال و دولت اور حصول غنائم کی طمع، شخصی و قومی

٦٩۔ نسائی: ج ۷، ص ۸۴، رقم ۳۹۹۷۔ بیہقی کبریٰ: ج ۸، ص ۱۹۱۔ المعجم الکبیر: ج ۱۰، ص ۹۶

۷۰۔ نسائی: ج ۶، ص ۲۴، ۲۵، رقم ۳۱۳۸۔ حاکم: ج ۲، ص ۱۲۰، رقم ۲۵۲۲۔ ابن حبان: ج ۱۰، ص ۴۹۵، رقم ۴۶۳۸

انها لیست لفلان فیبوء باثمه (۶۹)

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک شخص دوسرے شخص کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے گا اور عرض کرے گا کہ اے رب اس نے مجھے قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ دریافت کرے گا کہ تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے اسے اس لئے قتل کیا تھا کہ عزت تیرے لئے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہاں عزت میرے ہی لئے ہے۔ پھر ایک دوسرا شخص ایک شخص کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے گا اور عرض کرے گا کہ اس نے مجھے قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ وہ کہے کہ گا میں نے اسے اس لئے قتل کیا کہ عزت فلاں کے لئے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ عزت اس کا حق تو نہ تھی۔ پھر وہ اس کے گناہ میں پکڑا جائے گا۔

اسلام تو اس معاملے میں اس قدر حساس ہے کہ ایک روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں،

عن عبادة بن صامت من غزا فی سبیل الله ولم ینو الا عقالا فله مانوی (۷۰)

جس شخص نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور صرف ایک اونٹ باندھنے کی رسی کی نیت بھی کر لی تو اس کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔

ان تعلیمات کا نتیجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص آپ ﷺ کے حکم پر انسانیت کی فلاح اور خیر خواہی کے جذبے سے اس انتہائی اقدام کی طرف بڑھتا ہے تو اس کی نیت کی مکمل طور پر فاسد خیالات اور مضر نظریات سے تطہیر ہو چکی ہوتی ہے، پھر وہ اور اس کا ہر قدم انسانیت کی فلاح کے لئے اٹھتا ہے اور انسانیت کو اس سے کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ ان حالات میں وہ تلوار ضرور اٹھاتا ہے مگر صرف اس لئے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ باقی نہیں رہتا۔ اور محض اس وقت تک تلوار سے اس کا رشتہ برقرار رہتا ہے جب تک دنیا کو اس ضرورت ہوتی ہے۔

جنگ کی خواہش کی ممانعت

اسلام نے ہر طرح کے غلط مقاصد اور غیر انسانی خواہشات کے لئے جنگ کا راستہ بند کر دیا ہے۔ شہرت و ناموری کی طلب، عزت و فرماں روائی کی خواہش، مال و دولت اور حصول غنائم کی طمع، شخصی و قومی

۶۹۔ نسائی: ج ۷، ص ۸۴، رقم ۳۹۹۷۷۔ بیہقی کبریٰ: ج ۸، ص ۱۹۱۔ المعجم الکبیر: ج ۱۰، ص ۹۶

۷۰۔ نسائی: ج ۶، ص ۲۴، ۲۵، رقم ۳۱۳۸۔ حاکم: ج ۲، ص ۱۲۰، رقم ۲۵۲۲۔ ابن حبان: ج ۱۰، ص ۴۹۵، رقم ۴۶۳۸

عداوت کا انتقام، کوئی دنیوی غرض ایسی نہیں ہے جس کے لئے جنگ جائز رکھی گئی ہو۔ ان چیزوں کو الگ کر دینے کے بعد جنگ محض ایک خشک و بے مزہ اخلاقی و دینی فرض رہ جاتی ہے، جس کے مہالک وخطرات میں مبتلا ہونے کی از خود خواہش تو کوئی کر ہی نہیں سکتا اور اگر دوسرے کی طرف سے فتنے کی ابتدا ہو تب بھی صرف اس وقت مقابلے کے لئے تلوار اٹھا سکتا ہے جب کہ اصلاح حال اور دفع ضرر کے لیے تلوار کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ باقی نہ رہے۔ (۷۱)

اسی بنا پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی تمنا کرنے سے منع کرایا۔ مشہور مقولہ ہے کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہے، لیکن اسلام اس کا قائل نہیں، وہ جنگ کو صرف ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر دیکھتا ہے، اور حتیٰ المقدور اس کی کوشش یہ ہے کہ جنگ نہ ہو۔ ایک روایت میں آتا ہے، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی روایت کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا، آپ نے فرمایا:

ایها الناس لاتتمنوا لقاء العدو وسلوا الله العافية (۷۲)

اے لوگو: دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا مت کرو، اور اللہ سے عافیت مانگو۔

یہ دعویٰ قطعاً بے جا نہیں ہوگا کہ اسلام نے تاریخ انسانی میں پہلی بار جنگ کو جہاد اور فساد کی واضح اقسام میں تقسیم کیا، پھر خود جنگ سے بچنے کی تلقین فرمائی، جنگ بل کہ فساد آمادہ ماحول میں اسلام کی یہ پہلی آواز تھی، جیسے اسلام آگے چل کر ایک توانا تحریک میں بدل دیا۔

حریت وآزادی کا تحفظ

اسلام کا مقصدِ جنگ عقیدے کی آزادی اور عامۃ الناس کا تحفظ ہے، وہ اسلام کی دعوت وتبلیغ کے لئے نہیں بل کہ حریت فکر وعمل کے لئے جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ رہا جبر کا معاملہ تو اس کے بارے میں اسلام کا موقف بالکل واضح ہے، قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۷۳)

دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے۔

ناگزیر حالات میں جب اسلام جنگ کی اجازت دیتا ہے تو اس کے مقاصد کی بھی وضاحت کرتا ہے، قرآنِ حکیم میں فرمایا:

۷۱۔ الجہاد فی الاسلام: ص ۱۸۱ ۷۲۔ بخاری: ج ۳، ص ۱۰۸۲، رقم ۲۸۰۴۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۳۶۲، رقم ۱۷۴۲۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۴۲، رقم ۲۶۳۱ ۷۳۔ البقرہ: ۲۵۶

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ O (۷۴)

اور جولوگ تم سے قتال کرتے ہیں تم بھی ان سے اللہ کی راہ میں قتال کرو اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نہ لڑنے والوں سے تعرض کی ممانعت

اسلام نے ہی سب سے پہلے لڑنے اور نہ لڑنے والوں کے مابین تفریق کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح حکم فرمایا کہ لڑتے ہوئے یہ خیال رکھا جائے کہ صرف لڑنے والوں سے لڑائی کی جائے۔ نہ لڑنے والے طبقات سے قطعاً کوئی تعرض نہ کیا جائے اگر چہ وہ دشمن کے گروہ سے ہی تعلق رکھتے ہوں اور ان کے مشن اور مقصد کے کتنا ہی لگاؤ کیوں نہ رکھتے ہوں۔ نہ پڑنے والے دشمنی اور آمادۂ بے کار دشمن کی یہ تقسیم اسلام سے قبل موجودہ نہیں تھی۔ اس نوع کی ہدایات کا آپ ﷺ سے پہلے تذکرہ نہیں ملتا۔ آپ ﷺ کی ہدایات کی روشنی میں ایسے بہت سے طبقات جو عملاً لڑنے کی اہلیت نہیں رکھتے یا لڑنے والوں ہی عملاً شامل نہیں ہوتے ان سے لڑنا اور انھیں نقصان پہنچانا اسلام میں کسی صورت جائز نہیں ہے، اس لئے عورتوں، بچوں، بوڑھوں، معزور افراد اور گوشہ نشین زاہدوں کو قتل کرنے سے نبیٔ رحمت ﷺ نے منع فرمایا ہے، چند ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔

عن انس بن مالکؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انطلقوا بسم اللہ وفی سبیل اللہ، تقاتلون اعداء اللہ فی سبیل اللہ، لاتقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا صغیراً، ولا مرأۃ ولاتغلوا (۷۵)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں چلو، اللہ کے راستے میں اللہ کے دشمنوں سے قتال کرو، کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا، نہ کسی چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو، اور غبن بھی مر کرنا۔

عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا بعث جیوشہ قال لاتقتلوا اصحاب الصوامع (۷۶)

۷۴۔ البقرہ: ۱۹۰ ۷۵۔ ابن ابی شیبہ: ج ۶، ص ۴۸۳، رقم ۳۳۱۱۸

۷۶۔ ابن ابی شیبہ: ج ۶، ص ۴۸۴، رقم ۳۳۱۳۲۔ شرح معانی الآثار: ج ۳، ص ۲۲۵۔ ابو یوسف/ کتاب الخراج: ص ۱۹۵

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو تاکید کرتے کہ عبادت گاہوں میں مقیم افراد کو قتل مت کرنا۔

وعن ابن عباسؓ عن انبی ﷺ انه كان يوصي أمراء الاجناد اذا وجههم بتقوىٰ الله وبمن معهم من المسلمين خيرا و يقول اغزوا بسم الله في سبيل الله، تقاتلون من كفر بالله، اغزوا ولا تغلوا ولا تغادروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا امرأة ولا وليداً (۷۷)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب لشکروں کو روانہ فرماتے تو ان کے امرا کو اللہ سے ڈرنے کی اور اپنے ساتھ موجود مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنے کی وصیت فرماتے تھے، اور فرماتے کہ اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے چلو، ان لوگوں سے لڑنے کے لئے جنہوں نے اللہ کا انکار کیا۔ جہاد کرو مگر بدعنوانی میں مبتلا نہ ہونا، دھوکہ دہی نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، کسی عورت اور بچے کا قتل نہ کرنا۔

غزوۂ موتہ کے لئے لشکر روانہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا انہیں دیگر نصائح کے علاوہ یہ نصیحت بھی فرمائی:

أوصيكم بتقوىٰ الله وبمن معكم من المسلمين خيراً، اغزوا باسم الله في سبيل الله من كفر بالله، لاتغدروا ولا تغلوا ولا تقتلوا وليداً (۷۸)

۱۔ ہر حال میں تقویٰ و پرہیزگاری کو ملحوظ رکھنا

۲۔ اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی کرنا

۳۔ اللہ کی راہ میں اللہ کے نام پر، اللہ سے کفر کرنے والوں سے جہاد کرنا

۴۔ غداری نہ کرنا

۵۔ خیانت نہ کرنا

۶۔ کسی بچے کو قتل مت کرنا۔

آپ ﷺ نے تو میدان جنگ میں لڑنے والوں سے بھی احسان کرنے کی تلقین فرمائی، فرمایا:

۷۷۔ کتاب الخراج، ص ۱۹۳ ۷۸۔ سبل الہدیٰ والرشاد/ محمد بن یوسف الصالحی الشامی۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۳ء: ج ۶، ص ۱۴۶۔ زرقانی، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی/ شرح مواہب اللدنیہ۔ دار المعرفہ، بیروت، ۹۳ء: ج ۲، ص ۲۶۹

لاتقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً صغیرا ولا امرأة ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا وأحسنوا، ان الله یحب المحسنین (۷۹)

کسی بوڑھے کو قتل مت کرنا اور نہ کسی چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو، اور غبن مت کرنا اور مال غنیمت کو یک جا کرنا، اور اصلاح کرنا اور حسن سلوک سے کام لینا، کیوں کہ اللہ نے احسان کرنے والوں کو پسند کیا ہے۔

ملاحظہ کیجئے کہ جنگ جیسے موقع پر بھی احسان احسن سلوک کا تقاضا کیا جارہا ہے، یہ پیغام کیا کسی اور مذہب میں تلاش کیا جاسکتا ہے؟ اور تہذیب اسلامی کے علاوہ کہیں اور ڈھونڈا جاسکتا ہے؟

اسلام اس بارے میں کس قدر حساس ہے اس کا اندازہ امام طحاوی کی اس رائے سے کیجئے وہ تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

ان اهل الحرب اذا تترسو ابصبیانهم فکان المسلمین لا یستطیعون رمیهم الا باصابة صبیانهم فحرام علیه رمیهم فی قول هولاء وکذلك ان تحصنوا بحصن وجعلوا فیه الولدان فحرام علینا رمی ذلك الحصن علیهم اذا کنا نخاف من ذلك احابة صبیانهم ونسائهم (۸۰)

حربی کافر جب اس طرح اپنے بچوں کو ڈھال بنالیں کہ مسلمانوں کے لئے تیراندازی بغیر بچوں کو مارے ہوئے ممکن نہ ہو تو ایسی حالت میں ان ائمہ کے قول کے مطابق تیر اندازی حرام ہے، اسی طرح اگر حربی کافر قلعہ بند ہو جائیں اور اس میں اپنے بچوں کو ڈال لیں تو ہم مسلمانوں پر یہ حرام ہے کہ اس قلعے پر تیراندازی کریں اور اسے برباد کریں اگر بچوں اور عورتوں کی جانوں کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔

ایک طرف تو اسلام کا مزاج اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور رحمت ملاحظہ فرمائیے، دیکھئے کہ میدان جنگ میں مسلمانوں کو سر سے مٹا دینے کا عزم لے کر آنے والوں کو کیا کیا رعاتیں دی جارہی ہیں، کیا سلوک روا رکھا جارہا ہے اور دوسری جانب کے حالات کو دیکھئے، ایک فضائی حملہ ہزاروں کو تہہ تیغ کر ڈالتا ہے، سیکڑوں گھر مٹی کا ڈھیر بن جاتے ہیں، بچے یتیم اور عورتیں بیوائیں ہو جاتی ہیں، عبادت گاہیں ویران اور ہسپتال میں موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا افراد جیتے جی مر جاتے ہیں، مگر بعد میں علم ہوتا

۷۹۔ مشکوٰۃ المصابیح/ کتاب الجهاد، باب القتل فی الجهاد

۸۰۔ طحاوی/ شرح معانی الآثار: ج ۳، ص ۴۲۲

ہے کہ حملہ تو محض چند مطلوب افراد کے بارے میں اس غیر مصدقہ اطلاع پر کیا گیا تھا کہ وہ یہاں موجود ہیں مگر وہ ہاتھ نہیں آسکے، آج کی انسانیت کو کیا اس ''جمہوریت'' کی ضرورت ہے، یا اسلام کی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ ہدایات ہی جاری نہیں فرمائیں بل کہ ان اصولوں کو عملی زندگی میں بروقت کردار استعمال کر کے بھی دکھایا۔ ایک روایت میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ حنظلہ کاتب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

غزونا مع رسول الله ﷺ، فمررنا على ازرأة مقتولة قد اجتمع عليها الناس، فافرجوا له، فقال ماكانت هذه تقاتل فيمن يقاتل، ثم قال لرجل انطلق الى خالد بن الوليد، فقل له، ان رسول الله ﷺ يامرك، يقول لاتقتلن ذرية ولا عسيفا (۸۱)

ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا، ہم ایک مقتول عورت کے پاس سے گزرے، جس پر لوگ جمع تھے۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے راستہ بنا دیا، آپ نے فرمایا کہ یہ تو لڑنے والوں میں سے نہ تھی۔ پھر ایک شخص سے فرمایا کہ جا کر خالد بن ولید سے کہو کہ عورتوں، بچوں اور مزدوروں کو قتل مت کرو۔

اچانک حملے سے احتراز

اہل عرب کا یہ عام معمول تھا کہ وہ اچانک حملہ کرنے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے، بل کہ آخر شب میں جب کہ عام طور پر یہ لوگ بے خبر سو رہے ہوتے تھے اچانک حملہ آور ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے اسے سخت ناپسند کیا اور یہ اصول بیان فرما دیا کہ اچانک حملہ نہ کیا جائے۔ حضرت انس غزوۂ خیبر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ان النبى ﷺ خرج الى خيبر فجاء ها ليلا وكان اذا جاء قوماً بليل لايغير عَلَيْهِمْ حتىٰ يصبح (۸۲)

نبی اکرم صلی اللہ وسلم خیبر کے لئے نکلے تو رات کے وقت وہاں پہنچے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

۸۱۔ ابن ماجہ: ج ۲، ص ۹۴۸، رقم ۲۸۴۲۔ ابن ابی شیبہ: ج ۶، ص ۴۸۲، رقم ۳۳۱۱۴

۸۲۔ بخاری: ج ۳، ص ۷۷، رقم ۲۷۸۵۔ ترمذی: ج ۴، ص ۱۲۱، رقم ۱۵۵۰۔ موطا مالک: ج ۲، ص ۴۶۸، رقم ۱۰۰۳

کا معمول تھا کہ جب کسی قوم پر رات کے وقت پہنچتے تھے تو صبح سے پہلے حملہ نہیں کرتے تھے۔

ملاحظہ فرمایئے اس روایت میں حضرت انسؓ کان اذا جاء کے الفاظ سے آپ ﷺ کا معمول بیان فرمارہے ہیں۔ یہ کسی خاص واقعے کا ذکر نہیں ہے۔

ایفائے عہد

جنگ میں جب کہ سب کچھ جائز سمجھا جاتا ہے اسلام ایفائے عہد کی بھرپور تاکید کرتا ہے، ایفائے عہد اسلام کے عام اصولوں میں سے ہے، جس کی بہت تاکید ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً اپنے ہر خطبے میں دہرایا کرتے تھے:

لا دین لمن لا عهد له (۸۳)

اس کا دین کامل نہیں، جو عہد کی پاس داری نہیں کرتا۔

ایفائے عہد کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآنِ حکیم میں اسے مومنین کی اولین صفات میں شمار کیا گیا۔ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (۸۴)

وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس ملحوظ رکھتے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر ایفائے عہد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۸۵)

اور اللہ کا نام لے کر جب تم آپس میں ایک دوسرے سے اقرار کرلو تو اس کو پورا کرو، اور قسموں کو پکی کر کے توڑا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کو تم نے اپنے اوپر ضامن ٹھہرایا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے۔

ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے، سب لوگ جانتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی افرادی قوت بہت کم تھی اور مسلمانوں کو کمک کی بہت ضرورت تھی مگر میدان جہاد میں بھی دشمن کے مقابلے میں اور دشمن بھی وہ جو آپ کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بلند ترین اخلاقی معیار کو پورے اعزاز کے ساتھ برقرار رکھا۔ اس موقع پر دو اصحاب رسول حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور

۸۳۔ احمد: ج ۳،ص ۵۹۴، رقم ۱۱۹۷۵ ۸۴۔ المومنون: ۸ ۸۵۔ النحل: ۹۱

حضرت ابوحسیل رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)، ہم مکے سے آرہے ہیں راستے میں مشرکین نے ہمیں گرفتار کرلیا تھا اور اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم لڑائی میں آپ کا ساتھ نہیں دیں گے، مگر یہ مجبوری کا عہد تھا، ہم کافروں کے خلاف ضرور لڑیں گے، مگر نبی رحمت ہادی اعظم ﷺ نے فرمایا:

انصرفا، نفي لهم بعهدهم ، ونستعين الله عليهم (۸۶)

تم میدان جنگ سے واپس چلے جاؤ، ہم ہر حال میں ان سے اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے، اور ہمیں صرف خدا کی حمایت و مدد درکار ہے۔

عین میدان جنگ میں رسول خدا کی ہم رکابی اور دشمنان دین سے لڑنے کی خواہش رکھنے والے فرزندان توحید کو اپنے دشمن سے بہ امر مجبوری کئے گئے وعدے کی پاس داری کی تلقین، جب کہ عددی طور پر دشمن کے مقابلے میں بہت کم ہونے کے سبب اس وقت ایک ایک فرد کی اہمیت تھی، یہ سب رسولِ اکرم ہادی اعظم ﷺ کے نبیٔ اخلاق ہونے کی واضح مثال نہیں تو اور کیا ہے؟

اس طرح صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے، اہل مکہ سے آپ ﷺ کی گفتگو جاری ہے۔ معاہدے کی شرائط پر غور ہو رہا ہے، اہل مکہ کے نمائندے سہیل مذاکرات کر رہے ہیں: سہیل نے ایک شرط مزید پیش آتے ہوئے کہا:

وعلى أنه لا يأتيك منا رجل وان كان على دينك الا رددته الينا، قال المسلمون سبحان الله كيف يرد الى المشركين وقد جاء مسلما فبينما هم كذلك اذ دخل ابو جندل بن سهيل بن عمرو يرسف في قيوده وقد خرج من اسفل مكة حتىٰ رمى بنفسه بين اظهر المسلمين فقال سهيل هذايا محمد اول ما اقاضيك عليه ان ترده الى فقال النبى ﷺ انا لم نقض الكتاب بعد قال فو الله اذا لم اصالحك على شئ ابدا، قال النبى ﷺ فأجزه لي قال ما انا بمجيزه لك قال بلى فافعل قال ما انا بفاعل (۸۷)

ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارا جو آدمی آپ ﷺ کے پاس جائے گا اس کو واپس کرنا ہوگا خواہ وہ آپ کے دین پر ہو۔ یہ سن کر مسلمانوں نے کہا سبحان اللہ وہ کیسے مشرکوں کو واپس کر دیا جائے گا جب کہ وہ مسلمان ہو کر آئے گا؟ اسی اثنا میں ابوجندل بن سہیل بن عمرو بیڑیاں پہنے

۸۶۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۵۹، رقم ۱۷۸۷ ۸۷۔ بخاری: ج ۲، ص ۸۲۔ مسند احمد: ج ۵، ص ۳۲۳

ہوئے قیدیوں کی چال چلتے ہوئے مکہ کے نشیب سے نکل کر آ گئے اور آتے ہی مسلمانوں کے سامنے گر پڑے۔ سہیل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پہلی بات ہے۔ جس پر میں نے آپ ﷺ سے صلح کی ہے کہ آپ اس کو (ابوجندل) مجھے واپس کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی ہم نے تحریر مکمل نہیں کی ہے۔ سہیل نے کہا خدا کی قسم پھر ہم کبھی بھی آپ ﷺ سے کسی بات پر مصالحت نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا تم اس کو میری ضمانت میں دے دو، اس نے کہا میں اس کو آپ کی ضمانت میں نہیں دے سکتا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا ہاں تم اس کو میری ضمانت میں دے دو۔ سہیل نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا۔

ایفائے عہد کی یہ وہ مثالیں ہیں جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے علاوہ کہیں اور نہیں مل سکتیں۔

جلانے کی ممانعت

آپ ﷺ سے پہلے یہ رواج بھی موجود تھا کہ مخالفین کو جلانے سے بھی احتراز نہیں کیا جاتا تھا۔ مخالفین کو شدت انتقام میں زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس وحشیانہ حرکت سے بھی منع فرمایا عبد الرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لاینبغی ان یعذب بالنار الا رب النار (۸۸)

آگ کا عذاب دینا سوائے آگ پیدا کرنے والے کے کسی کو سزاوار نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو لڑائی پر جانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ اگر فلاں دو آدمی تم کو ملیں تو ان کو جلا دینا مگر جب ہم روانہ ہوئے تو بلایا اور فرمایا:

انکم امرتکم ان تحرقوا فلانا وفلانا بالنار وان النار لا یعذب بها الا الله فان وجد تموهما (۸۹)

میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں شخص کو جلا دینا مگر آگ کا عذاب سوائے خدا کے کوئی نہیں دے سکتا اس لئے اگر انہیں پاؤ تو بس قتل کر دینا۔

۸۸۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۶۷، رقم ۵۲۶۸۔ ابی یعلی: ج ۳، ص ۱۰۵، رقم ۱۴۳۶۔ دارمی: ج ۲، ص ۲۹۳۔ ۲۴۶۱

۸۹۔ بخاری: ج ۳، ص ۱۰۷۹، رقم ۲۷۹۵۔ ترمذی: ج ۴، ص ۱۳۷، رقم ۱۵۷۱۔ احمد: ج ۲، ص ۳۰۷، رقم ۸۰۵۴

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت علی نے بعض زنادقہ کو یہ سزا دی۔ چناں چہ روایات میں آتا ہے:

فبلغ بن عباسؓ فقال لو کنت انا لم احرقهم لأن النبی ﷺ قال لا تعذبوا بعذاب الله (۹۰)

یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علم میں آئی تو فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو انہیں کبھی نہ جلاتا، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ولا عذاب مت دو (جلانے کا عذاب اللہ کے لئے خاص ہے)۔

مثلے کی ممانعت

محارب اور لڑنے والوں کا مثلہ کرنے، ان کے اعضا کاٹنے اور ان پر غیر انسانی تشدد کی بھی ممانعت ہے، رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور سے سختی سے منع فرمایا ہے:

عن عبد الله بن یزید عن النبی ﷺ انه نهی عن النهبة و المثلة (۹۱)

عبد اللہ بن یزید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے لوٹ مار اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا:

اور ایک راویت اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

وعن ابن عباسؓ عن انبی ﷺ انه کان یوحی أمراء الاجناد اذا وجههم بتقوی الله وبمن معهم من المسلمین خیرا و یقول اغزوا بسم الله فی سبیل الله، تقاتلون من کفر بالله، اغزوا ولا تغلوا ولا تغادروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا امرأة ولا ولیداً (۹۲)

لوٹ مار کی ممانعت

جنگ کے موقع پر آج کیا کچھ روا نہیں رکھا جاتا؟ زمانۂ جاہلیت میں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے البتہ اس منظر نامے کو یک سر تبدیل فرما دیا۔ آپ ﷺ نے واضح طور پر لوٹ مار کی بھی مذمت فرمائی اور اپنے ماننے والوں اور پیروکاروں کو اس سے منع فرمایا۔

۹۰۔ بخاری: ج ۳، ص ۱۰۹۸، رقم ۲۸۵۴۔ ترمذی: ج ۴، ص ۵۹، رقم ۱۴۵۸۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۱۲۶، رقم ۴۳۵۱

۹۱۔ بخاری: ج ۵، ص ۲۱۰۰، رقم ۵۱۹۷۔ بیہقی کبریٰ: ج ۶، ص ۳۲۴۔ احمد: ج ۴، ص ۳۰۷

۹۲۔ کتاب الخراج: ص ۱۹۳

جنگ خیبر میں صلح ہو جانے کے بعد جب اسلامی فوج کے کچھ نئے لوگ بے قابو ہو گئے اور انہوں نے غارت گری شروع کر دی تو یہودیوں کا سردار حضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے کہنے لگا۔

یا محمد الکم ان تذبحوا حمرنا وتاکلوا ثمرنا وتضربوا نساءنا فغضب النبی ﷺ وقال یا بن عوف ارکب فرسك ثم ناد الا ان الجنة لاتحل الا لمومن وان تجمعوا للصلاة قال فاجتمعوا ثم صلی بهم النبی ﷺ ثم قام فقال: ایحسب احدکم متکئا علی اریکة قد یظن ان الله لم یحرم شیئا الا مافی هذا القرآن؟ الا وانی قد وعظت وامرت ونهیت عن اشیاء انها لمثل القرآن او اکثر، وان الله تعالیٰ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اهل الکتاب الا باذن ولا ضرب نساءهم ولا اکل ثمارهم اذا اعطوکم الذی علیهم (۹۳)

اے محمد ﷺ کیا آپ کے لئے زیبا ہے کہ ہمارے گدھوں کو ذبح کریں، ہمارے پھل کھائیں اور ہماری عورتوں کو ماریں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ابن عوف کو حکم دیا کہ لشکر میں منادی کریں کہ جنت مومن کا علاوہ کسی کے لئے حلال نہیں، اور یہ کہ نماز کے لئے حاضر ہو جائیں، جب تمام اہل لشکر جمع ہو گئے تو حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص غرور پر بیٹھا یہ سمجھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے ان چیزوں کے جو قرآن میں حرام کی گئی ہیں کوئی اور چیز حرام نہیں کی؟ خدا کی قسم میں جو کچھ تم کو نصیحت کرتا ہوں اور جو امر و نہی کے احکام دیتا ہوں وہ بھی قرآن کی طرح یا اس سے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ جائز نہیں کیا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت گھس جاؤ، ان کی عورتوں کو مارو پیٹو اور ان کے پھل کھا جاؤ، حال آں کہ ان پر جو کچھ واجب تھا وہ تمہیں دے چکے۔

اسی طرح ایک اور واقعے کا ذکر ہمیں ملتا ہے، ایک انصاری صحابی بیان کرتے ہیں:

خرجنا مع رسول الله ﷺ فی سفر فاصاب الناس حاجة شدیدة وجهد و اصابوا فاصابوا غنما فانتهبوها، فان قدورنا لتغلی اذ جاء رسول الله یمشی علی قوسه فاکفا قدورنا بقوسه ثم جعل یرمل اللحم بالتراب ثم قال المیتة لیست باحل من المیتة (۹۴)

۹۳۔ ابوداؤد: ج ۲، ص ۱۷۰، رقم ۳۰۵۰۔ بیہقی کبریٰ: ج ۹، ص ۲۰۴۔ المعجم الاوسط: ج ۷، ص ۱۸۴، رقم ۷۲۲۶

۹۴۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۴۱۹، رقم ۲۷۰۵۔ بیہقی کبریٰ: ج ۹، ص ۶۱

ہم ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، اس میں لوگوں کو سخت مشکلات نے گھیر لیا۔ پھر کچھ بکریاں ملیں، ہر شخص نے جو ملا لوٹ لیا، (اسے تقسیم نہیں کیا) صورت حال یہ ہوئی کہ گوشت ہماری ہانڈیوں میں ابل رہا تھا۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمان ٹیکتے ہوئے آئے اور اپنی کمان سے ہماری ہانڈیاں الٹ دیں، اور گوشت کو مٹی میں ملا دیا، اور فرمایا کہ لوٹ کا مال مردار سے کم نہیں۔

بدنظمی کی ممانعت

آج نظم وضبط خصوصاً فوجی نظم وضبط پر بہت زور دیا جاتا ہے، اس کی ابتدائی ہی نہیں بل کہ جامع ترین ہدایات ہمیں ہادیٔ برحق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں نظر آتی ہیں، آپ ﷺ نے نہ صرف نظم و ضبط پر زور دیا، بل کہ ہر اس عمل سے منع فرمایا، جو انتشار وافتراق کا سبب بنتا ہو اور وقار کے خلاف ہو۔

اہل عرب کی ایک یہ بھی عادت تھی کہ وہ جنگ کے موقع پر پھیل کر چلتے اور راستوں کو ایسے تنگ کر دیتے کہ چلنا ہی دشوار ہو جاتا۔ آپ ﷺ نے اس کے بھی منع فرمایا، سہل بن معاذ بن انس جہنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

غزوت مع نبی اللہ غزوۃ کذا و کذا فضیق الناس المنازل وقطعوا الطریق، فبعث النبی ﷺ منادیا فی الناس ان من ضیق منزلا او قطع طریقاً فلا جہاد لہ (۹۵)

ہم نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فلاں فلاں غزوات میں شرکت کی، لوگوں کی عادت تھی کہ وہ راستوں اور قیام گاہوں کو تنگ کر دیتے تھے، یہ دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کرادی کہ جس نے راستہ تنگ کیا یا راستہ روکا تو اس کا جہاد قبول نہیں ہوگا۔

ایک اور موقع کا قصہ یوں ملتا ہے۔ ابوثعلبہ خشنی روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

قال کان الناس اذا نزلوا منزلا تفرقوا فی الشعاب والأودیۃ فقال رسول اللہ ﷺ ان تفرقکم فی ہذہ الشعاب والأودیۃ انما ذلکم من الشیطان، فلم ینزلوا بعد ذلک منزلا الا انضم بعضہم الی بعض حتیٰ یقال لو بسط علیہم ثوب لعمہم (۹۶)

۹۵۔ ابوداؤد: ج ۳، ص ۴۱، رقم ۲۶۲۹۔ احمد: ج ۳، ص ۴۴۰

۹۶۔ حاکم: ج ۲، ص ۱۲۶، رقم ۲۵۴۰۔ بیہقی کبریٰ: ج ۹، ص ۱۵۲۔ ابن حبان: ج ۶، ص ۴۰۸، رقم ۲۶۹۰

جب لوگ کسی مقام پر ٹھہرتے تو مختلف کھائیوں اور وادیوں میں بکھر جاتے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا یوں کھائیوں اور وادیوں میں منتشر ہو جانا شیطانی عمل ہے، اس کے بعد جب بھی صحابۂ کرام کسی مقام پر ٹھہرتے تو اس طرح باہم مل کر بیٹھتے تھے کہ اگر ان پر کوئی کپڑا ڈالا جاتا تو وہ سب کو ڈھانپ لیتا۔

عرب کے ہاں دوران جنگ اس قدر ہنگامہ برپا ہوتا کہ اس کا نام ہی ان کی زبان میں ''وغی'' پڑ گیا تھا۔ اسلام لانے کے بعد بھی عربوں نے یہی طریقہ برتنا چاہا مگر آپ ﷺ نے اس کی ممانعت کر دی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں:

كنا مع رسول الله ﷺ فكنا اذا اشرفنا على وادٍ هللنا وكبرنا ارتفعت اصواتنا فقال النبي ﷺ يا ايها الناس اربعوا على انفسكم فانكم لا تدعون اصم ولا غائبا انه معكم انه سميع قريب (۹۷)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور جب کسی وادی میں پہنچتے تو زور شور سے تکبیر وتہلیل کے نعرے بلند کرتے تھے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو وقار کے ساتھ چلو۔ تم جس کو پکار رہے ہو وہ نہ بہرا ہے، نہ غائب، وہ تو تمہارے ساتھ ہے سب کچھ سنتا ہے اور بہت قریب ہے۔

باندھ کر قتل کرنے کی ممانعت

آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ کیسی کڑی شرائط کے ساتھ لڑنے کی اجازت دی گئی ہے، اور جن سے لڑنے کی اجازت ہے ان کو مارنا جائز ہے، وہ بھی غیر مشروط نہیں ہے، اس کے بھی ضابطے مقرر ہیں، مثلاً انہیں باندھ کر اور بے بس کر کے مارنا درست نہیں۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ عبد الرحمٰن بن خالدؓ نے چند قیدیوں کو باندھ کر قتل کرنے کا حکم دیا، یہ بات حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے فرمایا:

سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن قتل الصبر فوالذى نفسى بيده لو كانت الدجاجة ما صبرتها فبلغ ذلك عبد الرحمن بن خالد بن وليد فاعتق اربع رقاب (۹۸)

۹۷۔ بخاری: ج ۳، ص ۱۰۹۱، رقم ۲۸۳۰ ۹۸۔ ابوداؤد: ج ۲، ص ۱۱۷، رقم ۲۶۸۷

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے قتل صبر (باندھ کر مارنے) سے منع فرمایا ہے۔ خدا کی قسم اگر مرغی بھی ہوتی تو میں اس کو اس طرح باندھ کر نہ مارتا۔ اس کی خبر جب عبدالرحمٰن بن خالدؓ کو پہنچی تو انہوں نے چار غلام آزاد کر دیے (یعنی اپنی غلطی کا کفارہ ادا کیا)۔

جنگ فتنہ ختم ہونے کے بعد

جنگ کی اجازت دیتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (۹۹)

اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز نہیں۔

سو جب فتنہ فرو ہو جاتے، سازش ختم ہو جائیں، امن قائم ہو جائے اور انتشار و خلفشار کا اندیشہ نہ رہے یا دشمن لڑائی سے دست بردار ہو جائے تو حکم یہ ہے

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ (۱۰۰)

پس اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر (دست درازی کا) کوئی راستہ نہیں رکھا۔

اگر مخالف آمادۂ صلح ہو تو اس کا جواب صلح کے سوا کچھ نہیں۔ لڑنا تو لڑنے والوں کے لئے ہے، صلح جو کے لئے اسلام کا دامن بہت وسیع ہے، فرمایا:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (۱۰۱)

اور اگر وہ (کافر) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے۔ بے شک وہ خوب سنتا، جانتا ہے۔

سفیر کے قتل کی ممانعت

آج کی مہذب دنیا میں سفیر کا احترام ہر طرح سے لازم ہے۔ مگر اس روایت کی ابتدا بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور ایسے حالات میں بھی جب کہ متعلقہ فریق کی ریشہ دوانیاں ناقابل

۹۹۔ البقرہ: ۱۹۳ ۱۰۰۔ النساء: ۹۰ ۱۰۱۔ الانفال: ۶۱